اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔

سیکولرازم کی تعریف و تاریخ

اس دور میں ان نظریات کے حامل افراد کے فتنے

ان فتنوں سے مقابلہ کرنے کے اقدامات

مصنف

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ

ایم اے اسلامیات، ایم اے پنجابی، ایم اے اردو

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے:

☆سیکولر و لبرل ازم کی تعریف و تاریخ

☆اس دور میں ان نظریات کے حامل افراد کے فتنے

☆ان فتنوں سے مقابلہ کرنے کے اقدامات

مُصَنِّف

ابو احمد مفتی محمد انس رضا قادری

المتخصص فی الفقہ السلامی، الشھادۃ العالمیۃ

ایم اے اسلامیات، ایم اے اردو، ایم اے پنجابی

مرکزی مجلس رضا، لاھور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللہ

نام کتاب : **سیکولر ولبرل ازم**

مصنف : ابو احمد مفتی محمد انس رضا قادری بن محمد منیر

پروف ریڈنگ : مولانا دانیال مدنی، مولانا رئیس مدنی

صفحات : 106

تعداد : 1100

اشاعت اول : 23ذوالحجہ1443ھ/23جولائی2021ء

فون نمبر : 04237225605-03214477511

ملنے کا پتہ

دفتر مرکزی مجلس رضا مسلم کتابوی

گنج بخش روڈ داتا دربار مارکیٹ لاھور

...فہرست...

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	...مقدمہ...	7
2	الحاد کی تعریف	9
3	لبرل ازم	10
4	...باب اول: سیکولرازم...	11
5	...فصل اول: سیکولرازم کی تعریف و تاریخ...	11
6	سیکولرازم کی تعریف	11
7	سیکولرازم کی تاریخ	12
8	مغرب میں دہریت کیسے عام ہوئی؟	19
9	خلاصہ بحث	20
10	اسلام کی شان	21
11	سیکولرازم کا مقصد	22
12	...فصل دوم: سیکولرلوگوں کے مکر و فریب...	25
13	مکر: سیکولرازم بے دینی نہیں بلکہ دنیا کی بہتری ہے	25

...مقدمہ...

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

08 مئی 2018ء کو راقم نے دارالافتاء اہل سنت کی سالانہ تربیتی نشست میں سیکولرازم کے موضوع پر بیان کیا، جس میں سیکولرازم کی تاریخ، اس کے فتنے اور اس کے مقابل علمائے کرام کو کیا اقدام کرنا چاہئیں ان نکات پر بات کی تھی۔ بعد میں تخصص فی الفقہ کے درجے میں ایک بیان لبرل ازم پر بھی کیا۔ یوں ان دونوں موضوعات پر ایک مدلل تحریر تیار ہوگئی تو بعد میں سوچا گیا کہ اس کو کتابی شکل میں لایا جائے تاکہ عام عوام کو بھی اس بارے میں آگاہی ہو۔

سیکولر، لبرل اور دہریے میں کیا فرق ہے، اس بارے میں بعض اہل علم حضرات کو بھی معلوم نہیں ہوتا بلکہ ہمارے یہاں تو بعض پڑھے لکھے لوگ، اینکرز اور سیاسی لیڈر فخر سے خود کو سیکولر و لبرل کہہ رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کو اس کا صحیح علم بھی نہیں ہوتا، وہ سمجھتے ہیں کہ فرقہ واریت سے خود کو آزاد سمجھنا ہی سیکولر و لبرل ہونا ہے۔ جبکہ شرعی طور پر یہ بے دینی ہے۔

صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی حدیث پاک میں ہے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''«يَكُونُ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا»'' ترجمہ: کچھ لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو (جہنم کی

طرف) بلائیں گے۔ جو شخص ان کی بات مانے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔ "قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا" ترجمہ: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں ان کی علامات بتا دیجئے۔ " قَالَ: «هُمْ قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا يَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا» "ترجمہ: آپ نے فرمایا: وہ ہم ہی میں سے کچھ افراد ہوں گے اور ہماری زبانوں ہی میں بات کریں گے۔" قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ "ترجمہ: میں نے کہا: اگر مجھے (ان کا) یہ زمانہ ملے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟" قَالَ: فَالْزَمْ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِمَامَهُمْ "ترجمہ: آپ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ پیوستہ رہنا۔" قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ، وَلَا إِمَامٌ "ترجمہ: اگر جماعت نہ ہو اور نہ کوئی امام ہو تو کیا کروں؟" قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ، وَأَنْتَ كَذَلِكَ "ترجمہ: آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان سب گروہوں سے الگ رہنا اگرچہ تجھے کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے حتی کہ تجھے اس حال میں موت آجائے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العزلة، جلد2، صفحه1317، حديث3979، دار إحياء الكتب العربية، الحلبي)

یہ حدیث عصر حاضر کے فتنوں کی کافی حد تک عکاسی کرتی ہے کہ ایک طرف گمراہ فرقے ہیں جو قرآن وحدیث کے نام پر مسلمانوں کے عقائد خراب کرکے فرقہ واریت عام کرکے جہنمی فرقوں میں شامل کررہے ہیں اور دوسری طرف سیکولر لوگ ہیں جو مذہب کو مساجد تک محدود کرکے مسلمانوں کو عیش پرستی اور حرام خوری کی طرف لگارہے ہیں اور شرعی احکام کی نہ صرف خلاف ورزی کرتے بلکہ پردہ وشرعی سزاؤں کو قدیم خیالی ثابت کرتے ہیں۔

سیکولر و لبرل ازم، دہریت کی پہلی سیڑھی ہے جس کی ابتدا مذہب سے الگ ہونا اور اس کی انتہا دین کا منکر ہو کر جہنم کا ایندھن بننا ہے۔ دہریت، لبرل ازم اور سیکولرزم کی تعریف و تاریخ میں فرق ضرور ہے لیکن موجودہ دور میں یہ تمام نام ان لوگوں کے لیے بولے جاتے ہیں جو خود کو مذہب سے آزاد سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ان کی تعریفات اور تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

الحاد کی تعریف

عربی زبان میں الحاد کا لغوی مطلب، انحراف یعنی درست راہ سے ہٹ جانا ہے۔ الحاد اسلامی مضامین میں استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح ہے جو اپنا پس منظر قرآن سے اخذ کرتی ہے۔ قرآن کی سورت الاعراف کی آیت 180 میں ''یُلۡحِدُوۡن'' (یعنی لحد کرنا یا انحراف کرنے) کا لفظ آتا ہے۔ یہ کلمہ، لحد سے ماخوذ ہے۔ لحد کا لفظ عام طور پر اردو میں بھی قبر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت لحد سے مراد اس طاق یا دراڑ کی ہوتی ہے کہ جو قبر میں ایک جانب ہٹی ہوئی ہوتی ہے اور جس میں میت کو رکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ طاق یا درز درمیان سے ہٹی ہوئی ہوا کرتی ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ قبر کے درمیان سے منحرف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو لحد کہا جاتا ہے اور اسی لحد سے الحاد بھی بنا ہے۔ لفظ الحاد کو انگریزی میں بعض اوقات (atheism) بھی لکھ دیا جاتا ہے جو اپنے معنوں میں خاصا مختلف مفہوم کا حامل ہے جس کی درست اردو عقلاً و منطقاً، لامذہبیت یا لادینی آتی ہے۔

لبرل ازم

لفظ لبرل، قدیم روم کی لاطینی زبان کے لفظ لائبر(liber)اور پھر لائبرالس (liberalis)سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے آزاد، جو غلام نہ ہو۔یعنی لبرل وہ شخص ہے جو خود کو دین سے آزاد سمجھتا ہو۔(آگے مزید لبرل ازم پر کلام ہو گا۔)

ابو احمد محمد انس رضا قادری

23ذوالحجہ1443ھ23جولائی2022ء

...باب اول: سیکولرازم...

...فصل اول: سیکولرازم کی تعریف و تاریخ...

سیکولرازم کی تعریف

یہ لاطینی زبان کے لفظSeculeer یا Secler کی بدلی ہوئی انگریزی شکل ہے۔اس کے کئی مطالب اور اشکال ہیں۔معروف ترین مطلب"The World" یعنی دنیاہے جو چرچ کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کی ذات وقت کی قید اور حدود سے آزاد اور ماوراہے۔دہریت میں اللہ عزوجل کا انکار کیا جاتا ہے اس کی بہ نسبت سیکولرزم میں اللہ عزوجل کو تو مانا جاتا ہے لیکن آزادی کو دین پر ترجیح دی جاتی ہے کہ ہر فرد جو کرنا چاہے، کہنا چاہے وہ کہہ سکتا ہے اسے مکمل آزادی حاصل ہے،یونہی دین کو سیاست سے الگ رکھنا ان کا نظریہ ہے۔

انٹرنیٹ کی مشہور ویب سائیٹ ویکیپیڈیا میں سیکولرازم کی تعریف یوں کی گئی ہے:"سیکولرازم سے مراد دنیاوی امور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج یا بے دخلی ہے۔یہ نظریہ کہ مذہب اور مذہبی خیالات و تصورات کو ارادتاً دنیاوی امور سے حذف کر دیا جائے۔سیکولرازم جدید دور اور روایتی مذہبی اقدار سے دور جانے کی طرف ایک تحریک ہے۔سیکولرازم کو اُردو میں عموماً لادینیت سے تعبیر کیا جاتا ہے سیکولرازم کے حامیوں کے نزدیک یہ لادینیت کے مترادف نہیں، بلکہ اس کا مطلب مذہب اور ریاست کے معاملات کو الگ الگ کر دیا جائے۔سب سے پہلے اصطلاح سیکولرازم برطانوی لکھاری جارج جیکوب ہولیاک نے 1851ء میں استعمال کی تھی،یہ اصطلاح دراصل چرچ اور

ریاست کو الگ کرنے کے لیے استعمال کی گئی تھی گویا سیکولرازم دراصل سیاست اور مذہب کے مابین تفریق کا نام ہے۔" (ویکیپیڈیا)

سیکولرازم کی تاریخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت مغربی اور مشرقی یورپ پر بُت پرست (مشرک) رومن بادشاہوں کی حکمرانی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف اُٹھائے جانے سے قبل دنیامیں 30 یا 33برس رہے۔وہ بنیادی طور پر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول تھے تاکہ ان کو تورات کی گمشدہ تعلیمات سے از سرِنو آشنا کریں۔ان کی اصل تعلیمات اِس وقت تقریباً ناپید ہیں۔موجودہ عیسائیت اور اس کے عقائد سینٹ پال کا دین ہے۔یہ شخص بنیادی طور پر کٹر یہودی تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھالیے جانے کے بعد یہ شخص عیسائی ہو گیا۔یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں کے درمیان (اپنے خوابوں اور مکاشفات کے ذریعے)اس عقیدے کو عام کیا کہ یسوع مسیح خدا کے ہاں اس کے نائب کی حیثیت سے موجود ہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے درمیان فیصلے وہی کریں گے اور یہ کہ اب نجات اس شخص کو ملے گی جو یسوع مسیح کی خوشنودی حاصل کرے گا۔یہی وہ شخص ہے جس نے پہلی بار یہ تعلیم بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام کو دینے کی بھی نصیحت کی۔

عیسائی مبلغّین کی پہلی کانفرنس50ء میں منعقد ہوئی(جس میں سینٹ پال نے بھی شرکت کی)جس میں تورات کے کئی احکامات کی پابندی سے غیر اسرائیلیوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، البتہ انھیں زنا،بت پرستی اور خون آمیز گوشت کھانے سے منع کیا گیا۔اس وقت

تک حضرت عیسیٰ کے خدا کے بیٹے ہونے کا عقیدہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ عیسائیت کے عقائد کی تعلیم اور اشاعت رومن دور میں ممنوع تھی اور مبلغین پر بہت تشدد کیا جاتا تھا۔ تشدّد کا یہ سلسلہ اس وقت رکا جب رومن شہنشاہ کانسٹنٹائن نے تقریباً 312ء میں عیسائیت قبول کر لی۔ لیکن یہ محض عقیدے کی قبولیت تھی ورنہ کاروبارِ مملکت پرانے رومن طریقے ہی پر چلتا رہا اور اس معاملے میں کسی عیسائی عالم کا کوئی اعتراض ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔

عیسائیت کے سرکاری مذہب بن جانے کے باوجود مملکت کے سیکولر ہونے کی یہ پہلی مثال تھی۔ اس حکومتی سیکولرازم کی وجہ یہ تھی کہ سینٹ پال کی تعلیم کے مطابق عیسائی عقیدہ اختیار کرنے کے بعد دنیاوی معاملات سے خدا کا تعلق ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

سیکولرازم (Secularism) کے تصور کا بانی ایک عیسائی مفکر سینٹ آگسٹین (Saint Augestene) ہے۔ سینٹ آگسٹین نے چوتھی صدی عیسوی میں ایک کتاب "سٹی آف گاڈ (City of God) لاطینی زبان میں لکھی۔ اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں عملاً دو سلطنتیں، یعنی دو نظامِ اقتدار قائم ہیں ایک نظام ہے، "سٹی آف گاڈ" جس میں خدا کی حکمرانی ہے۔ اس نظام کو چرچ مرتب اور نافذ کرتا ہے، اور یہ نظام خدا اور انسان کے رشتہ کو قائم رکھنے اور مضبوط بنانے کا ذمہ دار ہے۔ یہ نظام عیسائیت کی تشریح اور تنفیذ کرتا ہے، اس نظام کا حاکمِ مطلق "پوپ" ہے، پوپ عیسائیت کی جو تشریح چاہے کرے کیوں کہ روح القدس (Holy ghost) ہر پوپ میں حلول کر جاتی ہے۔ ہر عیسائی پوپ کا بندہ ہے۔

دوسرا نظام ''سٹی آف مین (City of man)ہے۔ اس نظام کا مقصدِ وجودانسانوں کے آپس کے تعلقات کی ترتیب اور تدوین ہے اور ان کے دنیوی اغراض و مقاصد کا فروغ ہے۔ اس نظام کو چلانے کے لیے اقتدار رومن شہنشاہ Roman emperor کو پوپ سونپ دیتا ہے۔اور رومن شہنشاہ رومن قانون (Roman Law) جس کا ماخذ روم کی روایات ہیں۔رومن شہنشاہ اسی رومن لاء کے ذریعے ''سٹی آف مین'' پر حکومت کرتا ہے۔ City of man میں رومن شہنشاہ انہی معنوں میں حاکمِ مطلق ہوتا ہے جن معنوں میں پوپ City of God میں حاکمِ مطلق ہوتا ہے۔رومن شہنشاہ کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ رومن لاء کی جو تشریح چاہے کرے۔

تقریباً 476ء میں جرمن گاتھ حکمرانوں کے ہاتھوں مغربی یورپ میں رومن سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ گاتھ چونکہ قبائلی طرزِ زندگی کے عادی تھا اس لیے اس نے کوئی مرکزی حکومت قائم نہیں کی جس کے نتیجے میں مغربی یورپ میں ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی۔ہر جگہ چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں اور جاگیرداریوں نے جنم لیا اور باہم جنگ وجدِل شروع ہوگئی۔یہ سلسلہ تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا۔اس عرصے کو یورپ کا تاریک دور یا ازمنہ وسطیٰ کہا جاتا ہے۔اسی دور میں عیسائیت میں پوپ کے منصب کا آغاز ہوا اور اسے مذہبی معاملات میں مکمل دسترس حاصل ہوگئی،اس کا کہا خدا کا کہا سمجھا جانے لگا۔یہی دور تھا جب مصر کے صحرا میں رہنے والے کچھ عیسائی مبلّغین نے رہبانیت اختیار کی۔500ء میں سینٹ بینیڈکٹ،روم میں لوگوں کی اخلاقی بے راہ روی سے اس قدر تنگ آیا کہ اس نے اپنی تعلیم کو خیر باد کہا اور ایک غار میں رہائش اختیار کی تاکہ اپنے نفس کو

پاک رکھ سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اور لوگوں کو بھی دعوت دی۔ جب ایک اچھی خاصی تعداد شاگردوں کی میسّر آگئی تو 529ء میں اس نے باقاعدہ ایک راہب خانے کی بنیاد رکھی اور راہبوں کے لیے ضابطے تحریر کیے جو آج بھی راہب خانوں میں نافذ العمل ہیں۔ ان ضوابط میں راہبوں کے لیے شادی کی ممانعت، مہمانوں سے آزادانہ ملنے پر پابندی، مخصوص لباس پہننے کی پابندی، سونے جاگنے، سفر کرنے اور ملنے ملانے، کھانے پینے کے آداب اور طریقے شامل تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے والوں نے پاکیِ نفس کے لیے غلو اور اس سے بڑھ کر انسانی جسم و جان پر بے جا پابندیاں اور تشدّد شروع کیا جو کہ انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ اسی کی تعلیم یہ لوگ عوام کو دیا کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ یہ راہب لوگوں اور خدا کے درمیان واسطہ بن گئے اور مذہبی معاملات میں انھیں ایک ناقابلِ چیلنج اختیار حاصل ہو گیا۔ ایک طرف ان راہبوں کے دُنیاوی اُمور سے الگ ہو جانے اور خود کو راہب خانوں تک محدود کرنے کے باعث حکومتوں کے لیے سیکولر ہونے کو ایک طرح کا کھلا میدان اور جواز فراہم ہوا، تو دوسری طرف راہبوں، بشپوں اور پوپ کی اس مطلق العنانی نے اختیار کے غلط استعمال کو جنم دیا اور شہنشاہ کانسٹنٹائن کے عہد میں منعقدہ کونسل آف نیقیہ میں طے کردہ عیسائی عقیدے سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف سخت متشدّدانہ رویّہ اختیار کیا گیا۔ عیسائی دنیا میں سینکڑوں برس تک اس صورتِ حال کے جاری رہنے سے انسانی فطرت میں اس کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی۔ پوپ چونکہ اٹلی کے شہر روم میں موجود تھا، اس لیے تحریک احیائے علوم کا

آغاز بھی(چودھویں صدی عیسوی میں)روم ہی سے ہوا۔اس تحریک کے اثرات سے لوگوں نے راہبوں اور پادریوں کی سوچ وفکر سے آزاد ہو کر سوچنا شروع کر دیا۔اس زمانے کے فلسفیوں اور دانشوروں نے دلائل کے ذریعے عیسائیت کے مذہبی عقائد کا غیر عقلی اور غیر فطری وغیر منطقی ہونا لوگوں کے سامنے ثابت کرنا شروع کیا۔

سولھویں صدی عیسوی میں بائبل میں دی گئی کائنات اور زندگی سے متعلق بعض معلومات کے سائنسی طور پر غلط ثابت ہونے سے مذہبی عقیدے کی لوگوں پر گرفت بالکل کمزور پڑ گئی۔ یہ بغاوت عیسائیت کے ایسے قوانین اور ضوابط کے خلاف نہیں تھی جو حکومتی معاملات، طرزِ معاشرت، معیشت وغیرہ سے متعلق ہوتے کہ ایسے قوانین تو عیسائیت میں تھے ہی نہیں بلکہ عیسائیت تو محض ایک عقیدے کا نام تھی، جسے نیقیہ کی کونسل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور توریت کے احکامات کو نظر انداز کر کے سینٹ پال کے خوابوں اور روحانی مکاشفات کے نتیجے میں اختیار کیا تھا اور انسان کی نجات کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔ یہ عقیدہ چونکہ یونانی دیومالا اور یونانی فلسفے کے زیرِ اثر پروان چڑھا تھا اللہ عزوجل کی طرف سے نہ تھا، اس لیے جدید سائنسی انکشافات و اکتشافات کی ذرا سی ٹھوکر بھی نہ سہہ سکا۔

انسانیت پر اثرات: یورپ کی عوام چونکہ پوپ کے غیر فطری مذہبی رجحانات سے تنگ آچکی تھی اور سارا یورپ عیسائی علما کے صدیوں تک جاری رہنے والے فرقہ وارانہ جھگڑوں کے نتائج کو بھی بھگت چکا تھا، اس لیے مذہبی عقیدے سے بغاوت یورپ کے اجتماعی ضمیر میں جلد جذب ہوگئی۔ تحریک احیائے علوم کے دوران یورپ میں جب

عیسائیت کی تعلیمات سے بے زاری پیدا ہوئی اور خدا کی انسانی زندگی میں دخل (جو کہ اصل میں عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کی خدا کی طرف سے انسانی زندگی میں مداخلت کی غیر ضروری، غیر منطقی، من مانی اور متشدّدانہ توجیہ تھی) کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی تو کہا جانے لگا کہ چونکہ خدا وقت کی حدود سے ماوراہے اور انسان وقت کی حدود سے مقیّد ہے، لہٰذا انسانی زندگی کو سیکولر، یعنی خدا سے جدا (محدود) ہونا چاہیے۔ اس لفظ کو باقاعدہ اصطلاح کی شکل میں 1846ء میں متعارف کروانے والا پہلا شخص برطانوی مصنّف جارج جیکب ہولیوک (1817ء۔1906ء) تھا۔

جیکب ہولی اوک برطانیہ کے شہر برمنگھم کے "میکنکس انسٹی ٹیوٹ" میں پڑھاتا تھا۔ مشہور خیالی اشتراکیت پسند رابرٹ اووین کا ہم نوا ہونے کے جرم میں اسے ادارے سے نکال دیا گیا۔ اس زمانے میں لندن سے روشن خیالوں کا ایک رسالہ "ندائے عقل" شائع ہوتا تھا، جیکب ہولی اوک بھی اسی رسالے سے منسلک ہوا۔ 1841ء میں اس رسالے کے ایڈیٹر کو مسیحی اصولوں سے انحراف کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا، تو ہولی اوک اس رسالے کا مدیر مقرر ہوا۔ ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے (ہولی اوک) کو بھی منطقی دلائل پر مبنی ایک تقریر کرنے کی پاداش میں چھ ماہ قید کی سزا دی گئی، قید سے رہائی کے بعد ہولی اوک ترقی پسند اور سائنسی خیالات کی ترویج کے لیے تقریریں کرتا اور رسالے لکھتا رہا۔ 1851ء میں اس نے لندن میں "سنٹرل سیکولر سوسائٹی" کے نام سے ایک علمی وادبی انجمن قائم کی ہولی اوک کا موقف تھا:

1۔ انسان کی سچی رہنما سائنس ہے۔

2۔ اخلاق مذہب سے جدا ایک قدیم حقیقت ہے۔

3۔ علم وادراک کی واحد کسوٹی اور سند عقل ہے۔

4۔ ہر شخص کو فکر اور تقریر کی آزادی ملنی چاہیے۔

5۔ ہم سب کو دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تحریک احیائے علوم کے دور میں مذہب بے زار فلسفیوں، دانش وروں اور فلسفی سائنس دانوں نے بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم کیں جن کے ذریعے اپنے خیالات کو عام کیا۔ اسی دور میں یورپ نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی۔ یورپ میں مذہب بیزاری، خدا کے انکار اور انسان کو بندر کی اولاد سمجھنے تک جا پہنچی۔ اب یورپ میں زندگی کی معراج یہ ٹھہری کہ انسان اپنی دنیا کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ساری جدوجہد کرے۔ تمام انسان بھی عام حیوانوں کی طرح حیوان ہی ہیں، لہٰذا اس دنیا میں بقا محض طاقتور کو نصیب ہو گی۔ (چارلس ڈارون اور ہربرٹ سپنسر اس فکر کے علَمبردار تھے۔)

اس فلسفے کے عام ہو جانے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہتھیار ہاتھ آجانے کے بعد یورپی اقوام کمزور اقوام پر ٹوٹ پڑیں۔ مفتوحہ ممالک پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لیے یورپی اقوام نے وہاں اپنی جدید سیکولر اور لبرل فکر کی ترویج کے لیے کالج اور یونیورسٹیاں تعمیر کیں۔ مفتوحہ اقوام کے تعلیمی ادارے، اُن کی زبانوں میں تعلیم اور عدالتوں کا نظام موقوف کیا اور معاشرت اور معیشت میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدّن کو رائج کیا جسے مفتوح اور مرعوب و شکست خوردہ لوگوں نے قبول کیا۔ فاتح اقوام نے رزق کے ذرائع اپنے قائم

کردہ جدید سیکولر تعلیمی اداروں کی اسناد کے ساتھ منسلک کر دیے۔ مفتوحہ اقوام کے نوجوان یورپ میں بھی تعلیم حاصل کرنے لگے(طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یورپی اقوام نے اپنے مفتوحہ ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کا اہتمام نہیں کیا بلکہ ان تمام ممالک کو آزادی حاصل ہونے کے بعد خود اس کے لیے جدوجہد کرنی پڑی)۔اس طرح یورپ کی خدا اور مذہب سے بغاوت پر مبنی فکر ،ادب، عمرانیات ،فلسفہ، آرٹ اور انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی تعلیم کے ذریعے تمام دنیامیں پھیل گئ۔

(https://www.nawaiwaqt.com.pk/18-Sep-2010/107181)

مغرب میں دہریت کیسے عام ہوئی؟

اسلام کی پوری تاریخ کے اندر، اسلام کو ان دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو یورپ کو انکے غلط عقیدے کی وجہ سے کرنا پڑیں۔ بہت اہم مشکلات میں سے ایک مذہب اور سائنس کے درمیان خوفناک اختلافات تھے۔ مذہب اس بے رحمی کیساتھ سائنس سے جا ٹکرایا کہ کلیسانے بہت سے سائنسدانوں کو زندہ جلا دیا اس بنا پر کہ وہ انکی کتاب کے خلاف چل رہے تھے۔ اہلِ کلیسا کے ان لرزہ خیز مظالم اور چیرہ دستیوں نے پورے یورپ میں ایک ہلچل مچادی۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جن کے مفادات کلیسا سے وابستہ تھے، سب کے سب کلیسا سے نفرت کرنے لگے اور نفرت وعداوت کے اس جوش میں بد قسمتی سے انھوں نے مذہب کے پورے نظام کو تہ و بالا کر دینے کا تہیہ کرلیا چنانچہ غصے میں آکر وہ ہدایتِ الٰہی کے باغی ہو گئے۔

گویا اہلِ کلیسا کی حماقت کی وجہ سے پندرہویں اور سولہویں صدیوں میں ایک ایسی جذباتی کشمکش شروع ہوئی، جس میں چڑ اور ضد سے بہک کر تبدیلی کے جذبات خالص الحاد کے راستے پر پڑ گئے۔ اور اس طویل کشمکش کے بعد مغرب میں تہذیب الحاد کا دور دورہ شروع ہوا۔

اس تحریک کے عَلمبر داروں نے کائنات کی بدیہی شہادتوں کے باوجود زندگی کی ساری عمارت کو اس بنیاد پر کھڑا کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے، وہ صرف مادہ ہے۔ نمو، حرکتِ ارادی، احساس، شعور اور فکر سب اسی ترقی یافتہ مادہ کے خواص ہیں۔ تہذیبِ جدید کے معماروں نے اسی فلسفے کو سامنے رکھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عمارت تعمیر کی۔ ہر تحریک جس کا آغاز اس مفروضے پر کیا گیا کہ کوئی خدا نہیں، کوئی الہامی ہدایت نہیں، کوئی واجب الاطاعت نظامِ اخلاق نہیں، کوئی حشر نہیں اور کوئی جواب دہی نہیں، ترقی پسند تحریک کہلائی۔ اس طرح یورپ کا رُخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف پھر گیا۔ خیالات، نقطہ نظر، نفسیات و ذہنیت، اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں الحاد اس پر پوری طرح غالب آگیا۔ اگرچہ یہ سب کچھ تدریجی طور پر ہوا اور ابتدا میں تو اس کی رفتار بہت سُست تھی لیکن آہستہ آہستہ اس طوفان نے سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

خلاصہ بحث

سیکولرازم فی زمانہ یورپ کے علاوہ اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں کس طرح اور کن ذرائع سے پھیل رہی ہے اس پر آگے ہم کلام کریں گے، فی الحال سیکولرازم

کی اس مختصر سی تاریخ سے یہ بات سامنے آئی کہ عیسائیت میں دہریت اور سیکولرزم کے عام ہونے کی ایک وجہ عیسائی پادریوں کا لوگوں کو اپنا مذہبی غلام بنالینا بنی۔ عیسائیت ایک نامکمل اور تحریف شدہ دین تھا جسے پادریوں نے اپنے طور پر بنا کر لوگوں پر حکومت کرنا شروع کردی۔ پادریوں کا ایسے قوانین عوام کو بتانا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ خدا اور عوام کے درمیان پادریوں کا بہت عمل دخل ہے جیسے کسی عیسائی نے اگر توبہ کرنی ہو تو وہ ڈائریکٹ اللہ عزوجل سے توبہ نہیں کرتا بلکہ گرجا جاکر پادری کے آگے اپنے گناہ کا اظہار کرتا اور توبہ کرتا ہے۔ یونہی ہندوؤں میں برہمنوں کے ظلم وستم سے دیگر قومیں بیزار ہوکر دہریت اور دیگر مذاہب میں چلی گئیں۔ مذہب اسلام میں وہ مسائل نہیں جو دیگر ادیان میں ہیں۔ اسلام ایک مکمل دین ہے جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہنچا ہے اور اس میں علماء کا کردار ایک راہنما کے طور پر ہے۔

اسلام کی شان

اب ہم اسلام کا جائزہ لیں تو قرآن وحدیث کا علمی و عقلی اور سائنسی رد تو کفار بھی کرنے سے عاجز رہے، اس دین کی حفاظت کے لیے اللہ عزوجل نے ایسے دینداروں کو پیدا کیا جنہوں نے چودہ سو سال سے لے کر اب تک صحیح دین لوگوں تک پہنچایا۔ اسلام میں دینی شخصیات کا اتنا ہی عمل دخل ہے جتنا اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ علماء کرام نے احکامِ شرع خود سے نہیں گڑھ لیے بلکہ قرآن و حدیث ہی کو لوگوں کے آگے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں جب بھی کسی مولوی نے دین کو بگاڑنا چاہا دیگر علمائے حق نے اس کا پردہ فاش کردیا اور وہ دنیا ہی میں ذلیل ہوگیا۔

اس کے باوجود سیکولرازم عام ہونے کی وجہ دیندار طبقہ کا سیاست سے دور ہو کر عیاش حکمرانوں کے ہاتھ اقتدار سونپ دینا، گمراہ و دہشت گرد فرقوں کا سیاست و اعلیٰ اقتدار پر قابض ہو کر فتنہ و فساد برپا کر کے لوگوں کو دین سے دور کرنا، اہل سنت کا فروعی مسائل میں شدت اختیار کرنا، اپنی اولادوں کے عقائد و نظریات پر صحیح توجہ نہ دینا وغیرہ ہے۔ اہل سنت و جماعت کی انہی غلطیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ہماری عوام فرقہ واریت سے تنگ آکر تمام دیندار طبقہ کو متشدد سمجھ رہی ہے اور حکمرانوں، میڈیا، گمراہ لوگوں کے ہاتھ چڑھ گئی ہے۔ میڈیا نے سیکولرازم عام کرنے کے لیے قرآن وحدیث کا تو سائنسی رد نہ کیا البتہ دیندار دار طبقہ کو بدنام کرنے کی کوئی کسر نہ چھوڑی جس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عوام علماء سے بد ظن ہو کر دین سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ حرام افعال کو حلال سمجھ رہی ہے اور یہ عمل سیکولرازم کا بنیادی سبب ہے۔

سیکولرازم کا مقصد

سیکولرازم کی ابتدا اگرچہ عیسائیوں کی اپنی غلطی سے ہوئی اور عیسائی پادری بھی اس پر خوش نہیں اگرچہ اسے روکنے سے بے بس ہیں اور اس کا خمیازہ آج سارا یورپ بھگت رہا ہے کہ اخلاقیات تباہ ہو چکی ہیں، زنا عام ہے، والدین اولڈ ہاؤس بھرتی ہیں، شراب نوشی کے عام ہونے اور اس کے نقصانات پر یورپی سائنس بھی رو رہی ہے۔ لیکن اب اس سیکولر ازم کی نحوست کو اسلام دشمن کفار بالخصوص یہودی مسلمان ممالک میں عام کر کے مسلمانوں کو دین و جہاد سے دور کر کے اس پر حکومت کرنے کے خواہاں ہیں۔ ان کفار کا نادانستہ ساتھ وہ مسلم قوم دے رہی ہے جو مغرب سے پڑھے لکھے ہیں یا مغرب ممالک کی

ترقی سے مرغوب ہیں اور وہی نظام مسلم ممالک میں لانا چاہتے ہیں۔ کفار نے مسلم سیاستدانوں، این جی اوز اور میڈیا کو اپنا ہتھیار بنا کر یہ باور کروایا ہے کہ یورپ کی ترقی کا راز مذہب کو ملک سے الگ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی دانشور اور میڈیا کی مشہور شخصیات سیکولرازم کی تعریفات میں ہیرا پھیری کرکے اسے اسلامی تعلیمات کے موافق ثابت کررہے ہیں جیسا کہ کئی گمراہ کن عقائد و نظریات کو اسلام ثابت کیا جاتا ہے۔

سیکولرزم کو پھیلانے میں جن بد باطن اور کج فکر، لوگوں نے اہم رول اور کردار ادا کیا، ان میں سے، مغرب میں ڈارون جس نے تحقیق کے نام پر "نظریہ ارتقاء" کی بنیاد ڈالی، جو دنیا کا سب سے بڑا فریب شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح فرائیڈ نے "نظریۂ جنسیت" پیش کیا، اسی طرح ڈارکا یم نے "نظریۂ عقلیت "پیش کیا، جان پول سارتر نے "نظریۂ وجودیت "کی تحدید کی، پھر آدم اسمتھ نے "کیپٹل ازم"سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادڈالی، کارل مارکس نے "کمیونزم"کی بنیادڈالی، جو پچھلے تمام مادی افکار کا نچوڑاور خلاصہ تھا اور مشرق میں کمال اتاترک، طٰہٰ حسین، جمال عبدالناصر، انور سادات، علی پاشا، سرسید احمد خان، چراغ علی، عنایت اللہ مشرقی، غلام پرویز، غلام قادیانی وغیرہ نے انہیں افکار کو مشرق میں عام کرنے کا بیڑا اٹھایا، اوراب اسی کو گلوبلائیزیشن یعنی"عالمگیریت"کانام دیدیا گیاہے۔

ہمارے نام نہاد لبرل دانشوروں نے روسو، والٹیر، ہیوگو، جان لاک، ہانبر، جان اسٹارٹ مل، کارل مارکس، فریڈرک اینجلز، ماؤزے تنگ، لینن اور یورپی مستشرقین کو تو بہت پڑھ رکھا ہے مگر انھوں نے کبھی اسلام کے صحیح معنوں میں مفکرین اور مؤرخین کو

نہیں پڑھا۔ ان میں سے شاید ہی کسی نے امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام ابن جوزی، شاہ ولی اللہ، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہم جیسے نابغہ ہائے عصر کو کبھی پڑھنے کی زحمت گوارہ کی ہو، ان کا اسلام کے متعلق مبلغ علم بس اتنا ہے جتنا کہ یورپی مستشرقین کی تحریروں میں وہ دیکھ لیتے ہیں وہ اسلام کو اسلام کے اصل ماخذوں کی بجائے یورپی متعصب مصنفین کی تحریروں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ عربی زبان سے وہ واقف نہیں ہیں اور اردو زبان سے واقف ہونے کے باوجود اسے منہ نہیں لگانا چاہتے کہ اس طرح ان کی دانشوری ترقی پسندی سے پھسل کر رجعت پسندی کے گڑھے میں گر سکتی ہے۔ اگر کبھی قرآن وسنت کے بنیادی ماخذوں کے متعلق ان میں سے بعض کا میلان پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ یہ مطالعہ اس نیت سے کرتے ہیں کہ انہیں ایسا مواد مل جائے جس سے ان کی ''روشن خیالی'' اور ''ترقی پسندی '' کی تائید ہوتی ہو۔ وہ اسلام کی روشنی میں مغربی افکار کو جانچنے کا میلان نہیں رکھتے، ان کی فکر تگ و دو ساری اس نکتے کے گرد گھومتی ہے کہ کس طرح اسلام کو مغربی افکار کا لبادہ اوڑھا کر دنیا کو اسے ماڈرن بنا کر دکھایا جائے۔

دراصل یورپ کی ترقی کا راز ان کا نظام ہے نہ کہ سیکولرازم۔ ورنہ عربی ممالک میں سیکولرازم نہ تھی، اس کے باوجود وہاں ترقی و دولت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سیکولرازم ترقی نہیں بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے بربادی ہے کہ اگر دین کاروبار اور دیگر دنیاوی معاملات سے نکل جائے تو پھر درندگی پیدا ہوتی ہے۔

★... فصل دوم: سیکولر لوگوں کے مکر وفریب...★

سیکولر لوگ کس طرح معنوی اور تاریخی ہیرا پھیری سے سیکولرازم کو ایک نعمت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہاں اس پر کلام کیا جاتا ہے۔

مکر: سیکولرازم بے دینی نہیں بلکہ دنیا کی بہتری ہے

سیکولر لوگ کہتے ہیں کہ سیکولرازم کا ایک پہلو دنیوی اُمور کی انجام دہی بھی ہے اور اسلام دین ودنیا کی تفریق کا قائل نہیں ہے۔لہذا سیکولر لوگ دنیاداری کو اسلام اور سیکولرازم کے درمیانی قدر مشترک قرار دے کر اسلام اور سیکولرازم کے درمیان فرق کو مٹا دینا چاہتے ہیں اور پھر اس استدلال کے ذریعے بزعم خویش ثابت کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست ہی سیکولر ریاست ہے۔روزنامہ ڈان(25جون2000ء) میں کراچی کے پروفیسر سید جمیل واسطی کا ایک مفصل مکتوب، اسلام اور سیکولرازم کے عنوان سے چھپا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:"لفظ سیکولر کالادینی ترجمہ کرنا در حقیقت اس لفظ کے اصل مطلب کو مسخ کرنے اور اس کی اہمیت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔اس لفظ کو اس کے اصل تاریخی تناظر سے الگ کرکے صحیح طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔مسیحی مغرب میں دو متحارب قوتیں تھیں۔یعنی چرچ اور ریاست ،پوپ،اور قیصر،جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اکثر آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔اسلام کے مذہبی اور سیاسی نظام میں ،نہ توکوئی چرچ ہے،نہ کوئی پوپ اور نہ ہی کسی قیصر (Emperor)کی گنجائش ہے۔پہلے چار خلفاء راشدین رضوان اللہ عنھم اجمعین نہ بادشاہ تھے نہ ہی سلطان، سیکولر کا متضاد لفظ(Theocraticتھیاکریسی) (Monasticراہبانہ)اور Clericalہے۔

چونکہ اسلام میں کوئی چرچ نہیں ہے۔نہ ہی کوئی راہبانہ سلسلہ ہے۔اس لئے اسلامک اور سیکولر ریاست دونوں اپنے شہریوں کو مذہبی آزادی دیتی ہیں۔انہیں انسانی حقوق، آزادی، قانون وانصاف کی نگاہ ہی مساوات کی ضمانت دیتی ہیں،سیکولر کا مطلب ہے:دنیاوی اور مادی۔اسلام ایک جامع مذہب کی حیثیت سے چونکہ دنیاوی معاملات ومفادات کا احاطہ بھی کرتا ہے لہذا یہ ایک سول (Civil) اور سیکولر مذہب ہے۔

جواب:اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام دنیوی اور اُخروی زندگی دونوں کے معاملات کا احاطہ کرتا ہے،اسلام میں دین ودنیا کی شتویت نہیں ہے۔اسلام جہاں اپنے پیروں کاروں کو اُخروی زندگی کی تیاری کے لئے ہدایت کرتا ہے۔وہاں انہیں یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ اس دنیا میں سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو۔ مگر سیکولرازم اور اسلام کی اپروچ یکسر مختلف ہے۔اسلام اُخروی ودنیوی زندگی میں توازن کا درس دیتا ہے ۔ مگر سیکولرازم کے ہاں اخروی معاملات کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے۔وہاں تو مقصود ومطلوب محض دنیاوی لذائذ ہیں۔دنیاوی لذتوں کی طرف یکطرفہ رجحان خود غرضی، حرص اور مادہ پرستی کے جذبات پروان چڑھتا ہے۔سیکولرازم میں دنیا سے شدید رغبت اورآخرت سے عدم رغبتی کا تصور ملتا ہے۔اسی لئے اسلام اور سیکولرازم میں ایک جزوی مماثلت کے باوجود دونوں کے نظریہ حیات میں بہت فرق ہے۔لہذا اسلام کا سیکولرازم سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔دنیا سیکولرازم جیسی وسیع اصطلاح کا محض ایک پہلو ہے۔اس اصطلاح کا غالب پہلو وہ ہے جسے لادینیت کہا جاتا ہے۔پروفیسر جمیل واسطی صاحب جیسے افراد کی عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی برتری ظاہر کرنے کی یہ کاوش جیسی بھی نیت پر مبنی ہو، مگر اس کے

مضمرات نہایت خطرناک ہوں گے۔پاکستان میں بعض اشتراکی منکرین نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ”اسلامک سوشلزم“کی اصطلاح وضع کی۔اسلام اور اشتراکیت کے درمیان انہوں نے بہت سے مشترک پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی۔ایک اور طبقہ جو یورپ کی جمہوریت سے بے حد متاثر ہے وہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان اسی طرح مشترکہ نکات کو بیان کرکے ”اسلامک ڈیموکریسی“جیسی اصطلاح کو رواج دینے میں مصروف رہتا ہے۔مگر ایسا نہیں ہوناچاہیے کہ اسلام ،اسلام ہی ہے۔اسے کسی سابقے یا لاحقے کی ضرورت نہیں ہے۔اگر بقول واسطی صاحب اسلام ایک سیکولرمذہب ہے ۔تو پھر سیکولرازم کے نفاذ کا مطالبہ کیوں کیاجاتا ہے۔سیدھی طرح اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کیوں نہیں کیاجاتا؟اس طرح کے التباس اور ابہام کو جان بوجھ کر کیوں پیدا کیاجاتا ہے۔

مکر:سیکولر کی بنیاد عقل اور سائنسی اصولوں پر ہے

سیکولر لوگوں کا ایک دوسرا فریب یہ ہے کہ سیکولر لاطینی زبان کے لفظ سیکولم (Seculum)سے ماخوذ ہے جس کے معنی دنیا کے ہیں۔سیکولرازم جدید مغربی اصطلاح ہے جس کا مطلب ”ایساسیاسی اور سماجی نظام ہے جس کی بنیادیں مذہب اور مابعد الطبیعیاتی نظریات کی بجائے عقل اور سائنسی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔“سبطِ حسن اپنی تصنیف ’نویدِ فکر‘میں سیکولرازم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:”قرونِ وسطیٰ میں رومن کتھولک پادری دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے،ایک وہ پادری جو کلیسا کے ضابطوں کے تحت خانقاہوں میں رہتے تھے۔دوسرے وہ پادری جو عام شہریوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے کلیسا کی اصطلاح میں آخر الذکر کو سیکولرپادری کہا جاتا تھاوہ تمام ادارے بھی سیکولر

کہلاتے تھے جو کلیسا کے ماتحت نہ تھے اور وہ جائیداد بھی جسے کلیسا فروخت کر دیتا تھا۔ آج کل سیکولرازم سے مراد ریاستی سیاست یا نظم ونسق کی مذہب یا کلیسا سے علیحدگی ہے۔"
(نویدِفکر، صفحہ69)

انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے مطابق "سیکولرازم ایک اخلاقی نظام ہے جو قدرتی اخلاق کے اصول پر مبنی ہے جو الہامی مذہب یا مابعد الطبیعیات سے جدا ہے اس کا پہلا کلیہ فکر کی آزادی ہے یعنی ہر شخص کو اپنے لیے کچھ سوچنے کا حق۔ ۲: تمام فکری امور کے بارے میں اختلافِ رائے کا حق۔ ڈاکٹر عبدالحق کی انگلش اردو ڈکشنری کے مطابق "سیکولرازم اس معاشرتی اور تعلیمی نظام کو کہتے ہیں، جس کی اساس مذہب کے بجائے سائنس پر ہو اور جس میں ریاستی امور کی حد تک مذہبی مداخلت کی گنجائش نہ ہو۔"
(نویدِفکر صفحہ70)

سیکولر کہتے ہیں کہ سیکولرازم کوئی مذہبی عقیدہ نہیں اس کا مطلب لادینیت نہیں بلکہ مذہب کے بارے میں غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرنا ہے یہ ایک عملی تدبیر ہے اسکا مقصد یہ ہے کہ مذہبی نزاع سے بچتے ہوئے سیاسی اور اقتصادی امور میں مشترک بنیاد پر ملک کا نظام چلایا جائے۔ سیکولر ریاست کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ اس کے آئین کی رُو سے تمام مذاہب کو مساوی درجہ حاصل ہوتا ہے اور کسی خاص مذہب کے ماننے والوں سے ترجیحی یا امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ سیکولر سٹیٹ کا مقصد ملک میں مختلف مذاہب کے درمیان چپقلش کو ختم کرنا اور ان کے پیروؤں میں قومی یکجہتی پیدا کرنا ہے۔ سیکولر سٹیٹ کے لیے اُردو میں "لادینی ریاست" کی ترکیب مستعمل ہے، لیکن یہ اس کا صحیح مترادف نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مترادف صُلح کُل بنتا ہے۔

سیکولرازم یعنی جمہوریت اور مساوات، آئینی اور نمائندہ حکومت، فکر و ضمیر کی آزادی، سائنسی سوچ اور شہری حقوق کی جدوجہد جاگیریت اور سرمایہ داری کے درمیان نظریاتی جنگ ہی کی مختلف شکلیں تھیں۔وہ حقوق جو سیکولرازم کی جان ہیں: مثلاً تحریر و تقریر کی آزادی، ضمیر و فکر کی آزادی، پریس کی آزادی، تنظیمیں بنانے کی آزادی اور اختلافِ رائے کی آزادی، ورنہ جاگیری دور میں تو کسی نے ان حقوق کا نام بھی نہ سنا تھا۔ سیکولرازم کے رواج پانے سے کلیسا کی قائم کی ہوئی خوف و دہشت کی فضا ختم ہوگئی۔ ہر شخص کو پہلی بار اس بات کا موقع ملا کہ وہ دوسرے مسائل کی مانند مذہبی مسائل پر بھی بلا خوف و خطر غور کرے اور جو عقائد ورسوم خلافِ عقل نظر آئیں ان کو رد کردے۔

تاریخی اعتبار سے امریکہ عہد جدید کی پہلی سیکولر ریاست ہے۔ امریکہ کا نیا آئین جو 1788 میں منظور ہوا، خالص سیکولر آئین ہے۔ جس کے مطابق ریاست کے کسی عہدے کے لیے مذہب کی کوئی شرط نہیں اور امریکی کانگریس (پارلیمنٹ) مذہب کے قیام یا مذہب کی آزادی پر پابندی کے سلسلے میں کوئی قانون منظور نہیں کرے گی۔ امریکی آئین کے تحت پارلیمنٹ مذہب کے قیام یا مذہبی رسوم کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں کرسکتی۔ اس طرح آئین نے ریاست اور کلیسا کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی ہے۔ امریکہ کے علاوہ کئی ممالک سیکولر نظریات پر عمل پیرا ہیں۔ سیکولر ریاستوں میں چین، جاپان، روس، فرانس، اٹلی، بھارت، ترکی، لبنان، ازبکستان کے علاوہ کئی ریاستیں شامل ہیں۔

سیکولر معاشرے کے ممتاز ادارے مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مقننہ۔(وہ جماعت یا مجلس ہوتی ہے جو قوانین کو بناتی ہے، اس میں ترامیم کرتی ہے یا قانون کو ختم کرسکتی ہے۔)جو آزاد اور غیر جانبدار الیکشن کے ذریعے وجود میں آئے۔

2۔عدلیہ۔ جس کو مرکزی اور خود مختاری کا مرتبہ حاصل ہو۔

3۔انتظامیہ۔ جو عدلیہ اور عدالتی حاکمیت کی اطاعت کرتی ہو۔

4۔پریس۔ جو رائے عامہ کے اظہار و تشکیل کا مقبول حربہ ہے۔

سیکولر ریاست میں ہر شخص بلا لحاظ مذہب مساوی درجے کا شہری ہوتا ہے۔ سیکولر ریاست کسی شہری کے مذہبی معاملات میں دخیل نہیں ہوتی نہ کسی کو مذہبی عقائد کی پابندی کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ سیکولر ریاست آئین طور پر کسی مذہب سے وابستہ بھی نہیں ہوتی نہ کسی مخصوص فرقے کے عقائد کو فروغ دیتی ہے۔

پاکستان کے حوالے سے متعصّب، اور مذہبی تنگ نظر لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ سیکولرازم کے حامی پاکستان کی عوام کو لادین بنا کر ان سے ان کا مذہب اسلام چھیننا چاہتے ہیں یا ان کو مذہب اسلام سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کم علمی اور جہالت پر مبنی ایک مکروہ پروپیگنڈا ہے، جس کا واضح مقصد بھولی عوام کو گمراہ کرکے ان کو مہذّب طرز معاشرت سے محروم کرکے معاشرے میں انتشار اور کنفیوژن پیدا کرنا اور اسلام کی غلط تشریحات و تاویلات کے ذریعے معاشرے پر ملّاؤں کی گرفت کو محفوظ رکھنا، روشن خیالی، ترقّی پسندی اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے ثمرات کو اپنی انا اور اجارہ داری کی خاطر

اپنے فتووں کی بھینٹ چڑھا کر عوام النّاس کو ترقّی اور خوشحالی سے محروم رکھنا ہے۔ سیکولر اِزم کے مخالفین کا اوّلین مقصد معاشرے میں مذہب کے عمل و دخل کی آڑ میں معاشرے پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنا ہے۔

جواب: بات محض سیاست کو مذہب سے دور رکھنے کی نہیں، یہ بات کچھ اور ہے جسے سیکولر لوگ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیکولر وہ سب کچھ اندرون متن یا زیر سطور کہہ رہے ہیں جن سے انکی اسلام دشمنی واضح ہوتی ہے۔ مثلاً مشرف کے نامشرف دور میں وزیراعظم شوکت عزیز نے خشک سالی سے نجات کیلئے عوام سے دعا اور نماز استسقاء کی اپیل کی تو جواب میں سیکولر ازم کے ممدوح پرویز ہود بھائی نے روزنامہ ڈان میں طنزاً لکھا کہ بارشیں نمازوں سے نہیں آتیں، یہ تو قانون فطرت کے مطابق بادل بنتے ہیں اور برستے ہیں۔ پرویز ہود یا بے ہود بھائی لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیتے کہ "قانون فطرت" کس نے بنائے ہیں تو پاکستان کی "جذباتی" مذہبی عوام کے علم میں اضافہ ہو جاتا۔ حمید اختر نے اپنے ایک کالم میں "داڑھی" والوں کے بارے میں طنزاً فرمایا کہ موجودہ حالات میں ان سب کو پکڑ لینا چاہیے۔ یہ تو پھر معمولی بات ہے، بینا سرور تو چاہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کی اہانت کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس سب کے باوجود ستم ظریفی دیکھیں کہ سیکولر حضرات زندگی کی ہر روش اور چلن سے مذہب کو کھرچ کھرچ کر نکالنا چاہتے ہیں اور پھر پوپلا منہ بنا کر عوام کی طفل تسلی کیلئے کہتے پھرتے ہیں کہ نہیں ہم تو مذہب کیخلاف نہیں۔

دوسرا مستند ماخذ جو یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ سیکولر ازم لادینیت ہے یا نہیں خود قرآن حکیم ہے۔ مثلاً سیکولر حضرات نفاذ شریعت کیخلاف ہر وقت مورچہ زن رہتے ہیں اور

ساتھ ہی کہتے جاتے ہیں ہم مذہب کیخلاف نہیں۔ قرآن ایسے تصورات اور رویوں کو کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس بات کی تائید میں سورہ البقرۃ کی آیت 85 کا حوالہ پیش خدمت ہے "کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں تو انکی سزا سوائے اسکے کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔"

سورۃ المائدہ 42 میں یہی بات کہی گئی ہے۔"جو لوگ خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"

اب آپ ہی فرمائیں کہ سیکولر ازم کو لادینیت اور کفر نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ اصل میں سیکولر حضرات کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ یورپین مذہبی تجربے کو پاکستان کے معاشرتی منظر نامہ پر تھوپنا چاہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام عیسائیت نہیں اور نہ مسلم دنیا مغربی تہذیب کا حصہ ہے، اسی لئے اس سارے عمل سے جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ غلط اور گمراہ کن ہوتا ہے۔

سیکولر لوگوں کا دوسرا مقدمہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں ہی کی موروثی بادشاہت کو سیکولر کہنا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ اگر سیکولر سے مراد دنیاوی مسائل سے متعلق ہونا ہے تو پھر خلافت راشدہ بھی سیکولر تھی، اسی لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خلافت راشدہ کے زمانے کے بعد کے زمانے کو کیوں سیکولر سمجھتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ موروثیت میں خلافت راشدہ کی طرح آزاد بیعت نہیں ہوتی تھی؟ یا پھر کوئی اور وجہ ہے؟ اس حد تک تو یہ بات درست ہے کہ خلافت راشدہ اور موروثیت میں بڑا

واضح فرق ہے اور مسلمانوں کا مثالی نظام ہمیشہ سے خلافت راشدہ رہا ہے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا جیسے موروثی بادشاہت کے ساتھ ہی اسلامی نظام کو دیس نکالا مل گیا تھا، قطعاً غلط بات ہے۔ ہاں البتہ یہ تاریخی امر ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمان مفکرین علماء میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ بدلتے حالات میں موروثی بادشاہت سے کس طرح نمٹا جائے۔ کچھ لوگوں نے بغاوتیں کیں، لیکن بالآخر یہ اجماع پیدا ہوگیا کہ اگر مسلمان حکمران اسلامی نظام عدل اور نفاذ شریعت کو برقرار رکھیں تو انکی اطاعت کی جاسکتی ہے۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے کئی سلاطین گزرے ہیں جن کی شرافت، حمیت اور عظمت کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ بالعموم وہ شریعت کے محافظ اور نگہبان تھے۔ انہی سلاطین کے دور میں اسلامی سلطنت کو وسعت اور استحکام ملا۔ انہوں نے ہی مسلمانوں کی عزت و آبرو کا بھرم رکھا اور اسلامی قوانین کے اطلاق کو جاری و ساری رکھا۔ خود ہمارے ہاں غوریوں، غزنویوں، لودھیوں اور مغلوں نے اسلامی طرز معاشرت اور اسلامی قوانین کو برقرار رکھا، یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے بھی جیسے بہاولپور، سوات اور دیر وغیرہ میں قیام پاکستان کے بعد بھی اسلامی نظام عدل رہا۔ ان بادشاہوں نے جنہیں سیکولر حضرات مطعون کرتے تھکتے نہیں، مسلمان معاشرہ کی اسلامی سمت برقرار رکھنے میں زبردست کردار ادا کیا۔ طوالت سے بچنے کیلئے صرف ایک مثال دونگا۔ جب زنادقہ تحریک نے پر پُرزے نکالے تو عباسی خلیفہ المنصور اور المہدی نے تہیہ کرلیا کہ انہیں ختم کردیا جائے۔ زنادقہ جیسا کہ انکے بارے میں معلوم ہے الحاد کا پرچار کرتے تھے، وہ خدا اور مذہب میں یقین نہیں رکھتے

تھے اور عوام کو شراب نوشی، زنا اور جواء کی طرف راغب کرتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف انہیں قتل کیا گیا بلکہ فتنہ ارتداد کیخلاف کتابیں حکومتی سرپرستی میں لکھائی گئیں۔ اسی طرح جب خلیفہ المہدی دنیا سے رخصت ہونے لگا تو اس نے اپنے بیٹے الہادی کو جو وصیت کی وہ اسکے اسلامی جذبوں کی ترجمان ہے۔" اگر یہ حکومت کبھی تمہارے ہاتھ آئے تو مانی کے پیروکاروں کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑنا۔" اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہو یا ان کے بعد کے ادوار جھوٹے نبوت کے دعویداروں کا فتنہ ختم کر کے امت مسلمہ کو فتنوں سے محفوظ کیا اور ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ اس لئے یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا ایک مسلمان معاشرے کو لادینیت کی طرف ہانکا جاسکتا ہے؟ مسلم دنیامیں جہاں بھی یہ تجربہ کیا گیا وہاں اس کے نتائج ہولناک نکلے۔

مکر: پاکستان سیکولرازم کی بنیاد پر بنا تھا

سیکولر یہ ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کی کوشش کرتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بلکہ سیکولر طور پر بنا تھا۔ سیکولر اپنی تائید میں قائداعظم محمد علی جناح کے چند بیانات پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

2نومبر 1941 کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب میں قائداعظم نے کہا :"آپ ہندوؤں اور سکھوں کو بتادیں کہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ پاکستان کوئی مذہبی ریاست ہوگی اور اس میں غیر مسلموں کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔"

11اپریل 1946 کو مسلم لیگ کنونشن دہلی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:"ہم کس چیز کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہمارا مقصد تھیوکریسی نہیں ہے اور نہ ہی ہم تھیوکریٹک اسٹیٹ چاہیے ہیں۔ مذہب ہمیں عزیز ہے لیکن اور چیزیں بھی ہیں جو زندگی کیلئے بے حد ضروری ہیں۔ مثلاً ہماری معاشرتی زندگی، ہماری معاشی زندگی اور بغیر سیاسی اقتدار کے آپ اپنے عقیدے یا معاشی زندگی کی حفاظت کیسے کر سکیں گے۔"

1946 میں رائٹرز کے نمائندے ڈول کیمبل کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم کا کہنا تھا:" نئی ریاست ایک جدید جمہوری ریاست ہوگی جس میں اختیارات کا سرچشمہ عوام ہوگی۔ نئی ریاست کے ہر شہری مذہب، ذات یا عقیدے کی بنا کسی امتیاز کے یکساں حقوق ہونگے۔"

یکم فروری 1948 کو امریکی عوام سے ریڈیو خطاب میں قائداعظم نے کہا:"پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس میں مذہب کے نام پر حکومت

کرنے کا اختیار ہو گا۔ ہمارے ملک میں بہت سے غیر مسلم شہری موجود ہیں مثلاً ہندو، مسیحی اور پارسی وغیرہ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ انہیں وہی حقوق اور مراعات حاصل ہونگی جو دیگر شہریوں کو دی جائیں گی اور انہیں پاکستان کے امور مملکت میں اپنا کردار ادا کرنے کا پورا موقع ملے گا۔"

19 فروری 1948 کو آسٹریلیا کی عوام کے نام ایک نشریاتی تقریر میں قائد اعظم نے ایک واضح اعلان کیا: "پاکستان کی ریاست میں تھیوکریسی (پادریوں کی حکومت) کی طرزِ حکومت کی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔"

قائد اعظم کے تصورات کا ایک لازمی جزو سیکولرازم تھا۔ قائد اعظم کا مقصد واضح طور پر مذہب اور سیاست میں تفریق تھا۔ نظریہ پاکستان کا مقصد ایک ہندوستان دشمن ریاست بنانا ہرگز نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی ریاست کا قیام تھا جہاں برصغیر کے مسلمان سیاسی اور اقتصادی آزادی کا مزہ لے سکیں اور پاکستان کا ہر شہری اپنے دین پر بلاخوف و خطر عمل کر سکے۔ قائد اعظم کی زندگی کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک باوقار شہری بنانا بھی تھا، اکثریت اور اقلیت کا فرق مٹانا چاہتے تھے۔ پاکستان کو امریکہ اور برطانیہ جیسی ترقی پسند ریاست بنانا قائد اعظم کا مقصد تھا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد ہم راستہ سے بھٹک گئے اور قائد اعظم کے نظریات مسخ ہو گئے۔

جواب: سیکولر طبقے کے ایسے دلائل کہ جناح ایک سیکولر پاکستان چاہتے تھے، زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ سیکولر جو اقتباسات پیش کرتے ہیں ایک تو یہ مجمل اور قابل تاویل

ہیں کہ قائد اعظم ہر پاکستانی کے حقوق بیان کر رہے ہیں چونکہ پاکستان میں دیگر مذاہب کے لوگ بھی رہتے تھے اس لیے قائد اعظم نے ان کو بھی پاکستانی کہا لیکن ان بیانات کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسلامی حکومت بنانے کو ناپسند کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض کا تو ہم مسلمان بھی اعتراف کرتے ہیں کہ قائد اعظم کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ پاکستان کی ریاست میں تھیوکریسی نہیں۔ تیسری بات یہ کہ ایک دو ایسی باتیں ہیں جن کا منسوخ ہونا قائد اعظم کی بعد کی تقریروں سے ثابت ہے۔ ہندوستان سے علیحدہ ہونے کے فوری بعد جناح صاحب نے قانون سازوں سے اسلامی بینکاری نظام وضع کرنے کو کہا، اب آپ اس کو کیا سمجھیں گے؟ ان کے مطابق سیکولر بھارت کے برعکس معرض وجود میں آنے والی نئی ریاست پاکستان کی کچھ تو امتیازی خصوصیات ہونا تھیں۔ ان کے مطابق جناح نے سوچا کہ یہ امتیازی پہلو مذہب ہی ہو سکتا ہے۔

سیکولر لوگوں کے مطابق جناح کی ذاتی زندگی بہت ہی سیکولر تھی لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ ان کے ذاتی رویوں کا اثر ان کی سیاست پر بھی تھا، بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جناح نے اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں بہت کچھ کہا تھا لیکن اقلیتوں کے بارے میں بات کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایک سیکولر ریاست چاہتے تھے۔

قائد اعظم نے 24 سے 26 دسمبر 1943ء تک کراچی میں ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے 31ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"آل انڈیا مسلم لیگ کے بھائیو اور خواتین و حضرات! میں اس بات پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ایک بار پھر مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا۔ اگر

ایک مثال کے ذریعے بھارت کے مسلمانوں کی حالت بیان کی جائے تو کہا جائے گا کہ بھارت کے مسلمانوں کا وہی حال تھا جو ایک بیمار اور قریب المرگ شخص کا ہوتا ہے۔ ایسا شخص قلتِ توانائی کے باعث نہ کوئی شکایت کرتا ہے، نہ کچھ مانگتا ہے، بالخصوص وہ اس بات کے شعور کا حامل نہیں ہوتا کہ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کے یا کسی اور کے ساتھ کیا ہونے والا ہے یا دنیا کا کیا ہو گا۔ سات سال قبل بھارت کے مسلمانوں کی حالت ایسی ہی تھی۔ مگر آج بیمار شخص بسترِ مرگ سے اتر آیا ہے۔ اس نے ہوش سنبھال لیا ہے۔ اب اس کی کئی شکایات ہیں۔ اس کے پاس کئی تجاویز اور مشورے ہیں۔ وہ کئی جھگڑوں اور قضیوں کا حل چاہتا ہے۔ یہ ایک اچھی علامت ہے بشرطیکہ وہ اپنی حدود میں رہے۔ یہ ایک صحت مند انسان کی علامت ہے۔ میں مسلمانوں کی بیداری پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

اس خطبہ میں قائد اعظم مسلمانوں کے بیدار ہونے پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کررہے ہیں کہ مسلمانوں کی بیداری ملک حاصل کرنے اہم سبب ہے۔ اسی بیداری نے اسلام کے نام پر پاکستان حاصل کیا۔

مزید قائد اعظم نے واضح طور پر فرمایا: "دستور ساز اسمبلی کا یہ کام ہو گا کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایسے قوانین بنائے جو شرعی قوانین سے متصادم نہ ہوں اور مسلمانوں کے لیے اب یہ مجبوری نہیں ہو گی کہ وہ غیر اسلامی قوانین کے پابند ہوں۔"

دراصل دستور اسمبلی کے مباحث میں ہندو اراکین کی طرف سے جو باتیں کی گئی تھیں، ان میں یہ واضح تھا کہ وہ پاکستان بننے کے خلاف تھے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ

مسلمان اپنا مذہب ایک طرف رکھتے ہوئے نئی مملکت پاکستان کو سیکولر قرار دیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کو معاشرے کی تعمیر میں کوئی جاندار کرار دیا جائے۔ جب قائد اعظم نے اپنی 11 اگست کی تقریر میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور معاشرتی و سیاسی حقوق میں انہیں مساویانہ مقام دلانے کا اعادہ کیا تو وہ سمجھے کہ شاید پاکستان ایک سیکولر ملک ہو گا۔ سیکولر لوگ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی قرار دادوں میں اسلام کا کہیں ذکر نہیں۔ لیکن اگر ایسی قراردادوں کے پیچھے مسلم لیگی فکر دیکھنی ہے تو ان تقاریر میں دیکھیں جو قائدین نے ایسے مواقع پر کی تھیں۔ مثلاً 1940 کی قراردادلاہور کی منظوری سے پہلے جو تقریر قائد اعظم نے کی تھی،اس کے مندرجات میں نہ صرف ان کا مسلمانوں کے تہذیبی پس منظر اور اسلامی فکر کا گہرا ادراک جھلکتا ہے بلکہ وہ تاریخ کے عظیم شعور کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان نہ پہلے ایک قوم تھے اور نہ اب، نہ مستقبل میں کبھی ایک ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ اسلامی تصور معاشرت ہندو تصورات سے بالکل جدا ہے۔

پروفیسر دلفریڈ کینٹ ویل سمتھ اپنی مشہو کتاب Islam in Modern History میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے کہ قیام پاکستان مسلمانوں کے مذہبی وجود کا مرہون منت ہے۔ قائد اعظم کی کم و بیش ایک سو سے زیادہ ایسی تقاریر موجود ہیں جن میں انہوں نے اسلامی نظام اور اسلامی قانون کی بات کی ہے۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اسلام کے بارے میں ان کی حساسیت بڑی گہری تھی۔ ان کے کردار اور ان کے طرز تکلم کی سنجیدگی اس وقت کے سیکولر لوگوں کو بھی کھٹکتی تھی۔ چنانچہ کراچی کی تقریب میلاد النبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انہوں نے کہہ بھی دیا کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو کئی لوگ بُرا مناتے ہیں۔25 جنوری 1948 کو قائد اعظم نے کراچی بار ایسو سی ایشن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:" وہ ایسے لوگوں کو سمجھ نہیں پائے جو جان بوجھ کر فتنے کھڑے کرتے ہیں اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شرعی بنیادوں پر تشکیل نہیں دیا جائے گا۔"

قائد اعظم کے اسلامی جوہر کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے رتی بائی سے شادی کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ پہلے اسلام قبول کرے، پھر سول میرج کے بجائے اپنا نکاح ایک مولوی سے پڑھوایا۔ قائد اعظم نے اپنی اکلوتی بیٹی سے صرف اس لیے قطع تعلق کرلیا کہ اس نے ایک غیر مسلم سے شادی کرکے اسلام سے ناشائستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔اس کے علاوہ غازی علم دین شہید کا کیس قائد اعظم کا لڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سیکولر نہ تھے ورنہ آج کے سیکولر تو دینداروں کو چھوڑ کر گستاخان رسول کے حق میں کیس لڑتے ہیں جیسا کہ عاصمہ جہانگیر کا حال تھا۔

مکر: ڈاکٹر اقبال اسلامی مملکت کے مخالف تھے

سیکولر لوگوں کا ایک مکر یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر اقبال برصغیر جنوبی ایشیا میں اسلامی مملکت کے قیام کے خلاف تھے۔ اپنے اس مقدمہ کو ثابت کرنے کے لیے وہ یہ دلیل سامنے لاتے ہیں کہ اقبال عوام پاکستان کے لیے اسلامی مملکت کا نہیں بلکہ مسلمانوں کی مملکت کا تصور پیش نظر رکھتے تھے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اقبال مسلمانوں کے لیے برطانوی ہند کے اندر ایک خود مختار ثقافتی یونٹ کا قیام چاہتے تھے۔ مزید ڈاکٹر اقبال کے وہ اشعار جو وطن سے محبت پر ہیں سیکولر ان کو دلیل بناتے ہیں کہ اقبال برطانوی حکومت اور ہندوستان کی سرزمین کو پسند کرتے تھے۔

جواب: یہ دونوں باتیں باہم متضاد ہیں، کیونکہ اگر ان کی یہی خواہش تھی کہ برطانوی ہند سے جدا نہ ہوں اور اس کا حصہ بن کر رہیں تو یہ بحث ہی غیر متعلقہ ہو جائے گی کہ وہ اسلامی مملکت چاہتے تھے یا مسلمانوں کی مملکت۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا: " اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد اور ہدف محض سیاست کے ذریعے آزادی کا حصول اور کچھ معاشی خوش حالی ہے اور اسلام کا تحفظ اور دفاع ان کے پیش نظر نہیں جیسا کہ (ہندی) قوم پرستوں کے کردار سے عیاں ہے تو مسلمان اپنے عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔"

اس کے علاوہ ڈاکٹر اقبال کا مغربی نظام سے بیزاری پر اشعار پڑھنا اور مسلمانوں کو بیدار کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو لازم پکڑنے کا ذہن دینا اور الہ آباد

میں دو قومی نظریے کا اظہا کرنا، غازی علم دین شہید کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سیکولر نظام نہیں بلکہ ایک اسلامی نظام چاہتے تھے۔

علامہ اقبال نے روزنامہ ''زمیندار'' کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خاں کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ''میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین حل قرآن میں موجود ہے۔ مسلمان جو یورپ کی پولیٹیکل اکانومی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظرِ غائر ضرور ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔''

ڈاکٹر اقبال کے اس خط سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مغرب کے اقتصادی نظام کے خلاف تھے۔ قائد اعظم نے مارچ 1941ء میں ڈاکٹر اقبال کی غیر معمولی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''علامہ اقبال سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور مجھے اس امر پر فخر ہے کہ ان کی قیادت میں مجھے ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع مل چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار اور اسلام کا شیدائی کسی کو نہیں دیکھا۔''

سیکولر ازم تو ریاست اور سیاست کو مذہب سے الگ رکھنے کا نام ہے، چاہے وہ اسلام ہو یا کوئی اور مذہب اور علامہ اقبال کا یہ نقطہ نظر ہے: ''اگر اسلام کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک نجی معاملہ سمجھا گیا تو اسلام کے اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی بھی وہی حیثیت ہو گی جو حشر مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے۔'' دین اور سیاست کو جدا سمجھنے والوں کے لیے فرماتے ہیں کہ

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دین سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

29 دسمبر 1930 میں ڈاکٹر اقبال نے جو تاریخی خطبہ الہ آباد کیا اس کا اقتباس ہے: اسلام فرد کی زندگی کو دین اور دنیا کے الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹتا۔ وہ مادے اور روح کی کسی ناقابلِ اتحاد شنویت کا قائل نہیں ہے۔ اسلام یہ نہیں سکھلاتا کہ انسان آلائشوں سے لبریز اور ناپاک اس دنیا کا کوئی باشندہ ہو، جسے وہ کسی دوسری دنیا کی خاطر ترک کردے جہاں روح رہتی ہے، اسلام کے نزدیک مادّہ روح کا وہ روپ ہے جو قیدِ مکان و زمان میں گھرا ہوا ہے۔ یورپ کی عیسائی ریاستوں کی زندگی سے مذہب عیسوی تقریباً خارج ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے (اور مجھے یقین ہے کہ) شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔

مکر: سیکولرازم ترقی ہے

سیکولر لوگ کہتے ہیں کہ سیکولرازم ہونے میں ملک و قوم کی ترقی ہے۔

جواب: سیکولرلوگوں کی دین کے خلاف ایک بڑی کوشش شروع سے یہ رہی ہے کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا جائے۔ لہٰذا پاکستانی قوم کو سیکولر اور مذہبی حصوں میں تقسیم کرنے کی جدوجہد کی جارہی ہے۔ قوم کو سبز باغ دکھا کر یہ بات بڑے تواتر کے ساتھ دہرائی جارہی ہے کہ جب تک مذہب کو سیاست سے الگ کر کے "چنگیزیت" نافذ نہیں کی جاتی، اس وقت تک ترقی ناممکن ہے۔ بد قسمتی سے مغربی تقلید پر کمر بستہ ہمارے بعض دانشور حضرات ہر اس چیز کو من وعن لینا چاہتے ہیں جسے مغرب نے کسی بھی مرحلہ

پر اختیار کیا ہو۔ پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم ان خوبیوں کو حاصل کرنے پر اتنا زور نہیں دیتے جن کے ذریعے مغرب نے ترقی کی بلکہ ہماری توجہ ان برائیوں اور معاشرتی کمزوریوں پر مرکوز ہوتی ہے جن کی وجہ سے مغربی معاشرہ روبہ زوال ہے، جس کا وہ بارہا خود بھی اعتراف کر چکے ہیں۔ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی سوچ اور معاشرتی اقدار کو ان کی غلامی سے آزاد کریں؟ جہاں تک وطنِ عزیز میں ترقی کی راہ میں مذہب کا حائل ہونا ہے تو مذکورہ بالا فکر کے حامل حضرات کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں دے سکتے کہ جس میں حکومت نے عوامی بہبود و فلاح کے لئے کوئی منصوبہ شروع کیا ہو اور اسے مذہبی حلقوں نے اس بنا پر رد کیا ہو کہ یہ اسلام کے خلاف ہے یا اسلامی احکام اس کی راہ میں حائل ہیں۔

دراصل یہ غلط فہمی کہ "ہمارے ہاں مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے" اس پس منظر کو نظر انداز کرنے سے ہوئی ہے جس پس منظر میں مغربی سیکولر انقلاب پروان چڑھا تھا جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ پادریوں کے ظلم اور عیسائی مذہب کے غلط عقائد و نظریات سے تنگ آکر سیکولرازم دہریت کو فروغ ملا۔ جبکہ قرون وسطی (Medieval) کے جابر چرچ کی اسلام جیسے عادلانہ اور رحمدل مذہب سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اسلام اوراس وقت کے چرچ کا موازنہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ چرچ کے مظالم کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھانے والا اسلام ہی ہے چنانچہ حق تعالی ارشاد فرماتا ہے ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو بیشک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (سورۃالتوبہ،سورۃ9،آیت34)

لہٰذا جو مذہب یورپی قرونِ مظلمہ(dark ages) کی خود یورپی باشندوں سے بھی ایک ہزار سال پہلے مذمت کرے اسے انہیں قرونِ مظلمہ جیسا قرار دینا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام تو ترقی اور خوشحالی کا پیامبر ہے جدید ٹیکنالوجی کی مخالفت تو دور کی بات ہے وہ تو اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے نوید سناتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے فرماتا ہے﴿وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ترجمہ کنزالایمان: اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں۔
(سورۃالنحل،سورۃ16،آیت8)

الغرض کسی طور پر بھی یہ درست نہیں کہ ہمارے ہاں مذہب کو سیاست سے اسلئے دور رکھا جائے کہ وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

کئی جاہل نام نہاد مسلمان سیاستدانوں کا یہ بیان آیا کہ اگر پاکستان سیکولر ہو جائے تو دنیا میں اس کا وقار بلند ہو سکتا ہے۔ یہ ایک سوال ہے کہ کیا واقعتاً اگر ہم سیکولر ہو جائیں تو دنیا میں ہمارا وقار بلند ہو سکتا ہے؟ لیکن ہر دعویٰ اپنی شہادتیں طلب کرتا ہے۔ البتہ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ مارشل ٹیٹو کے سابق یوگوسلاویہ میں رہنے والے بوسنیا وہرزیگووینا کے مسلمان سرتاپا سیکولر تھے اتنے سیکولر کہ انہوں نے اپنے مسلم ناموں تک کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے جواب میں عالمی برادری نے انہیں کتنا وقار فراہم کیا؟ یوگوسلاویہ ٹوٹا تو بوسنیا ہرزیگوینا کی سیکولر مسلمانوں کے لیے آزادی کا امکان پیدا ہوا مگر امریکہ اور پورے یورپ نے کہا کہ ارے یہ مسلمان سیکولر تھوڑی ہیں یہ تو صرف مسلمان ہیں چنانچہ انہوں نے سربوں اور کروشیائی باشندوں کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا اور انہوں نے ساڑھے

تین سال کی جنگ میں دو سے ڈھائی لاکھ بوسنیائی مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ سربوں نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو قتل کیا کہ تم نہیں تو کیا تمہارے آباواجداد تو مسلمان تھے۔ آپ کو معلوم ہے، بوسنیا میں ہونے والے اکثر حملوں کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت کیا تھی؟ یہ کہ ان میں سے اکثر حملے پڑوسیوں نے کیے۔ ان پڑوسیوں نے جو چالیس اور پچاس سال سے مسلمانوں کے پڑوسی تھے۔

سوال یہ ہے کہ اس تجربے سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ کیا یہ کہ سیکولرزم نے مسلمانوں کا وقار عالمی برادری میں بہت بلند کر دیا۔ یہ تو ایک قوم کی مثال ہوئی۔ دوسری مثال ایک راہنما یعنی یاسر عرفات کی ہے۔ یاسر عرفات بنیاد پرست نہیں تھے۔ وہ اپنی نہاد میں ایک قوم پرست اور سیکولر راہنما تھے مگر مغرب ان کو دہشت گرد کہتا تھا۔ اسرائیل ان کے خون کا پیاسا تھا۔ یاسر عرفات بالآخر مغرب اور اسرائیل کے ایجنڈے کے تحت وضع کیے گئے امن سمجھوتے پر بھی آمادہ ہوگئے۔ انہوں نے اس سمجھوتے پر دستخط بھی کر دیے مگر اسرائیل نے اس سیکولر راہنما کے ساتھ طے پانے والے سمجھوتے کی ایک شق پر بھی عمل درآمد کر کے نہ دیا۔ اسرائیل نے یاسر عرفات کو بالآخر ان کے دفتر میں محصور کر دیا اور تقریباً تین سال تک محصور رکھا۔ یاسر عرفات اس دفتر سے نکل کر فرانس پہنچے تو چند ہی روز میں ان کا نہایت پراسرار حالات میں انتقال ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ یاسر عرفات کا سیکولرازم ان کے اور خود ان کی قوم کے کتنا کام آیا؟

تیسری مثال ترکی کی ہے۔ پاکستان تو اسلامی جمہوریہ ہے مگر ترکی تو آئینی اعتبار سے سیکولر ہے اور دو چار سال سے نہیں 80 سال سے سیکولر ہے مگر اس کے باوجود ترکی

چالیس برس سے یورپی اتحاد کے دروازے پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے اندر آنے دو اور ترکی سے کہا جارہا ہے کہ تم تو مسلمان ہو۔ سوال یہ ہے کہ ترکی کے سیکولر حال اور سیکولر ماضی نے عالمی برادری میں ترکی کے وقار کو کتنا بلند کر دیا ہے اور ترکی کا سیکولر ازم اس کے کتنے کام آرہا ہے؟

خود پاکستان کی تاریخ سیکولر سیاسی لیڈروں کی تاریخ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان لیڈروں نے عالمی برادری میں پاکستان کے وقار کو کتنا بلند کیا ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال، صرف ایک مثال؟ ستر سال کے سیکولرزم کو اتنا غریب تو نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے۔ اور یہ صرف پاکستان کا معاملہ نہیں۔ مسلم دنیا گزشتہ ستر سال سے سیکولر دنیا ہی ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں اگر غربت ہے تو اس کا ذمہ دار سیکولرازم اور اس کے علمبر دار ہیں۔ اس دنیا میں اگر ناخواندگی ہے تو اس کے ذمہ دار بھی بنیاد پرست نہیں ہیں۔ اس دنیا میں اگر بدعنوانی ہے تو یہ بدعنوانی بھی مولویوں نے نہیں کی ہے۔ اس دنیا میں اگر لاقانونیت ہے تو اس کے ذمہ دار بھی مذہبی عناصر نہیں ہیں اس لیے کہ گزشتہ ستر برسوں میں کہیں بھی مذہبی عناصر اقتدار میں نہیں رہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کی ضرورت سیکولرازم نہیں مذہب ہے۔ سیکولرازم مسلم دنیا میں گندا انڈا ثابت ہو چکا۔ اس سے کچھ برآمد ہونا ہوتا تو اس کے لیے پچاس سال بہت تھے مگر ہم نے دیکھ لیا کہ اس سے کچھ برآمد نہیں ہوا چنانچہ اب سیکولرازم کی حمایت مسلمانوں اور ان کے معاشروں سے بدترین زیادتی ہے۔

دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس تاریخ میں جہاں کہیں کسی نے عزت و توقیر حاصل کی ہے، اپنی انفرادیت پر اصرار کرکے کی۔ ہم نے اپنی جداگانہ شناخت پر اصرار کیا تو پاکستان بنا اگر ہم متحدہ قومیت کے قائل رہتے تو پاکستان وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کشش کا اصول مختلف ہوتا ہے یکساں نہیں۔ اول تو مسلمان سیکولر ہو ہی نہیں سکتے اور اگر ہو بھی جائیں تو صرف نقال بن کر رہ جانا ہی ان کا مقدر ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ہماری تاریخ میں تو سیکولرازم کی کوئی مثال نہیں چنانچہ ہمیں یورپی تاریخ میں سیکولرازم کے سبب ہونے والی بربادی کو یاد رکھنا ہو گا۔

★... فصل سوئم: سیکولرازم کے تاریخی نقصانات...★

سیکولرازم جن معاشروں میں نافذ ہوا اور جہاں جہاں ایسے حکمران منتخب ہوئے یا مسلط کیئے گئے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ریاست کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں انھوں نے اس سیکولرازم کے نام پر انسانی خون اسقدر بہایا، ظلم و تشدد اتنا کیا اور رعایا کو بھوک اور افلاس کا شکار اس قدر رکھا اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صرف مسلمان ملکوں کے سیکولر حکمرانوں کی فہرست اٹھالیں۔ ان کے کارنامے پڑھ کر آپ حیران و ششدر رہ جائیں گے۔

جمال عبدالناصر

مصر سے شروع کرتے ہیں، جمال عبدالناصر جس کے دامن پر ڈھائی لاکھ لوگوں کو قتل کرنے کا الزام ہے، جس کے جیل خانوں کے تشدد کی کہانیاں لرزا دینے والی ہیں۔ بڑے بڑے رہنماؤں کی پھانسیوں کی ایک قطار ہے جو ختم ہی نہیں ہوتی۔ سیکولرازم اس کے خون میں رچا ہوا تھا۔ اسرائیل سے جنگ شروع ہوئی تو قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا "اے فرعون کے بیٹو! آج تمہارا مقابلہ موسیٰ کی نسل سے ہے"۔ مذہب کو ریاست سے دور رکھنے کا دعویٰ کرنے والا یہ سیکولر حکمران دنیا کے ظالم ترین حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔

انورالسادات اور حسنی مبارک

اس کے بعد اس کے فلسفہ پر عمل کرنے والے انورالسادات اور حسنی مبارک بھی اسی روش پر قائم رہے اور انسانوں کا خون بہاتے رہے۔ جمال عبدالناصر کے بعد دوسرے فوجی جنرل انوار السادت نے عنان حکومت سنبھالی تو کسی قسم کی تبدیلی نہ آئی بلکہ 1967 کی جنگ میں اسرائیل نے شام اور مصر کے جن علاقوں پر قبضے جما لیے تھے انوار السادات نے امریکی ایما پر اسرائیل سے تعلقات استوار کرنے کی خاطر نہ صرف دستبرداری اختیار کرلی بلکہ اسرائیل کو تسلیم بھی کرلیا اور سفارتی تعلقات قائم کر لیے نیز فلسطینی مسلمان مہاجرین جو اسرائیلی مظالم سے تنگ آکر مصر میں آباد ہوگئے ان کے خلاف کارروائیاں شروع کردیں۔ امریکا نے بڑی عیاری سے مذاکرات کے نام پر کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرواکر اپنے پروردہ اسرائیل کو سب سے مضبوط دشمن سے محفوظ کروادیا۔

انوار السادات نے اسرائیل سے معاہدہ کرکے موت کے پروانے پر دستخط کردیے تھے جبکہ اس کے عوض مصر کو امریکی ڈالروں کی نوازشات ہوئیں اور وہ بھی ڈکٹیٹروں کے ذاتی اثاثوں میں اضافے کا سبب بنیں۔

اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کی نگاہوں میں ہمیشہ اسلام پسند جماعتیں کھٹکتی رہتی ہیں لہٰذا امریکی اشاروں پر انوار السادات نے بھی اسلام پسندوں کو کچلنے کی پالیسی اختیار کی اور محبان اسلام قید و شہید کردیے گئے اور ڈکٹیٹر اپنے سرپرستوں کو راضی کرنے میں لگا رہا یہاں تک کہ مصری فوج کے ایک سپاہی خالد اسلام بولی کے ہاتھوں گولیوں کا نشانہ بنا اور اس کا قصہ تمام ہوا۔

انوار السادات کے بعد نیا ڈکٹیٹر حسنی مبارک مصر کے تخت پر براجمان ہوا اس نے اور اس کے حواریوں نے قتل و غارت کے علاوہ لوٹ مار اور کرپشن کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے، عوام غربت و افلاس کے ہاتھوں بدحالی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئیں۔ آخر کار لاوا پھٹ پڑا اور اہل مصر نے ایک نئی تاریخ رقم کی۔ لاکھوں فرزندان اسلام تحریر اسکوائر میں مظاہرہ کے لیے جمع ہوتے چلے گئے اور سیاسی انداز میں اپنی جدوجہد کے ذریعے برسوں سے اقتدار پر قابض امریکی غلام حسنی مبارک کے خلاف احتجاج کرنے لگے مصری افواج جو ملک کی سیاہ و سفید کی مالک بنی ہوئی تھی آخر کار مجبور ہو کر حسنی مبارک کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا اور عوام کے شدید احتجاج پر گرفتار بھی کر لیا گیا۔ حسنی مبارک کی علیحدگی کے باوجود فوج اقتدار پر قابض رہی تاہم اہل مصر نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور فوج کو انتخابات پر مجبور کر دیا۔

احمد حسن البکر

عراق میں احمد حسن البکر بھی سیکولر حکمران تھا جو ریاست کے کاروبار میں مذہب کے داخلے کو حرام سمجھتا تھا۔ صرف کردوں پر ڈھائے جانے والے مظالم انھیں تاریخ کے بدترین اور ظالم حکمران ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

سیکولر ازم کے پرزور نفاذ کے یہ حامی حکمران ہر اس آواز کو خاموش کر دیتے ہیں جس کے منہ سے یہ لفظ بھی نکلتا کہ مذہب بھی انسانی زندگی میں ایک نافذ العمل چیز ہے۔

شاہ رضا پہلوی

ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کے قاتل ایران میں شاہ رضا پہلوی کی سیکولر آمریت ساوک کے ظلم و ستم سے عبارت ہے۔

موجودہ ایران میں شاہ کی خفیہ ایجنسی کے ان مراکز کو عجائب گھر بنادیا ہے، جہاں ایسے لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا جو مذہب کو ریاست کا حصہ سمجھتے تھے، ان کے ناخن اکھاڑے جاتے، بجلی کے مسلسل جھٹکے دیے جاتے، زخم دے کر ان پر نمک چھڑکا جاتا۔ سیکولر رضا شاہ پہلوی کے سیکولر اقتدار کے دوران لاکھوں لوگ قتل اور لا پتہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے ایک سنیما گھر کو آگ لگا دی، چار سو سے زیادہ لوگ زندہ جل گئے اور الزام ان لوگوں پر لگا دیا جو مذہب کو ریاست کے کاروبار کا حصہ بنانا چاہتے تھے۔

لاطینی و جنوبی امریکہ کے حکمران

لاطینی یا جنوبی امریکا کے کسی بھی حکمران کے عہدِ حکومت کو اٹھالیں آپ کو ظلم و ستم کی داستانیں ملیں گی۔ صرف چلّی کے پنوشے کے مظالم اس قدر ہولناک ہیں کہ قلم لکھتے ہوئے خون آلود ہونے لگتا ہے۔ وہ تو ان سیکولر اقدار کو جمہوریت کا تڑکا لگا کر الیکشن بھی جیتا تھا۔ لیکن کیا جمہوریت لوگوں کا خون بہانے، ظلم کرنے یا قتل و غارت سے روک سکتی ہے۔

انڈونیشیا میں سہارتو کی سیکولر آمریت قائم ہوئی تو یہ دنیا کی سب سے پر تشدد آمریت تھی جس میں چار لاکھ سے زیادہ انسان قتل کر دیے گئے۔

ہٹلر

دنیا کا سب سے ظالم، قتل وغارت کا رسیا اور تشدد کا علمبر دار شخص ایک جمہوری طور پر منتخب لیڈر بھی تھا اور اقدار کے حساب سے سیکولر بھی، وہ شخص جرمنی کے عوام کے دلوں پر راج کرنے والا نازی حکمران ہٹلر تھا جو ہر اعتبار سے سیکولر تھا۔ کوئی اس دور کی دنیا کے لوگوں سے پوچھے کہ انھوں نے اس جمہوری طور پر منتخب سیکولر ہٹلر کے ظلم کی کیا قیمت ادا کی ہے۔ اس سیکولر صفت جمہوری طور پر منتخب شخص نے نسلی تعصب کی ایسی بنیاد ڈالی کہ کروڑوں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ کوئی یہودیوں سے جا کر پوچھے کہ انھوں نے سیکولر اور جمہوری ہٹلر کی جمہوریت اور سیکولرازم کی کیا قیمت ادا کی ہے۔ واشنگٹن میں ایک ہولوکاسٹ میوزیم ہے جس میں ہٹلر کے اس جمہوری اور سیکولر اقتدار کے دوران ہونے والے مظالم کے شواہد رکھے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کی صورتحال

جمہوریت اور سیکولرازم ایک اور جگہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گزشتہ پچھتر سالوں سے چل رہے ہیں اور یہ ملک بھارت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی یا راجیو گاندھی جمہوری طور پر منتخب حکمران نہیں تھے اور وہ سیکولر نہیں تھے تو وہ احمقوں کی دنیا میں رہتا ہے۔ اس ملک کا آئین بھی سیکولر ہے جو مذہب کو ریاست سے کوسوں دور رکھتا ہے۔ دنیا کا یہ سب سے بڑا جمہوری اور سیکولر ملک دنیا کی سب سے بڑی جھونپڑپٹی ہے، جہاں غربت کی انتہا علاقائی نہیں بلکہ مذہبی بنیادوں پر ہے۔ اس عظیم سیکولر اور جمہوری ملک میں غربت کے خط سے سب سے نیچے زندگی بسر کرنے والوں

کی اکثریت مسلمانوں میں سے ہے اور اس کے بعد دوسرا نمبر شودروں کا آتا ہے۔ یہ شودر کسی علاقے کی وجہ سے غریب نہیں کہ وہاں وسائل موجود نہیں ہیں بلکہ یہ اس لیے غربت کا شکار ہیں کہ ہندو مذہب انھیں بدترین حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔

کیا کشمیر میں مظالم کسی ڈکٹیٹر یا مذہبی رہنما نے روا رکھے اور ایک لاکھ لوگوں کو شہید کیا۔ یہ سب کے سب سیکولر اور جمہوری حکمران تھے۔ کوئی سکھوں سے جا کے پوچھے کہ انھوں نے اس جمہوریت اور سیکولرازم کا 1984 میں کیسا مزہ چکھا تھا جب ان کو دلی کے بازاروں میں گھسیٹا گیا، گلے میں ٹائر ڈال کر ان ٹائروں کو آگ لگا دی گئی۔

آج مودی مسلم دشمنی کے سبب دوسری مرتبہ حکومت کر رہا ہے اور شدت پسند ہندوں مسلمانوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں اور زبردستی مسلمانوں کو ہندو بنا رہے اور مساجد کو مندر میں تبدیل کر رہے ہیں۔ یہ سب حکومتی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ وہ حکومت جو فخر کرتی ہے کہ ہمارے ہاں جمہوریت کا تسلسل بھی ہے اور سیکولرازم کا آئینی تصور بھی۔

میڈیا کا کردار

اس سارے ظلم و ستم اور تشدد کے باوجود ہمارا میڈیا اور دانشور یہ تصور پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے سیکولرازم اور جمہوریت ہی نجات کے دو راستے ہیں۔ اسلام پر گفتگو کرنی ہو تو یہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اسلام کے اعلیٰ وارفع اصولوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ تمہاری تاریخ جنگوں اور لڑائیوں سے بھری ہے، تمہارے حکمران ظالم تھے۔ لیکن وہ یہ منطق سیکولرازم پر لاگو نہیں کرتے۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر ظلم وبربریت سیکولر ڈکٹیٹروں اور سیکولر جمہوری حکمرانوں کے ادوار میں اس دنیا نے دیکھی، تاریخ میں اس سے زیادہ ظلم و ستم اور قتل وغارت کسی اور دور میں نہیں ہوا۔

جنگِ عظیم اول اور دوم کے دوران ایسے حکمران دنیا پر حکومت کرتے تھے جو جمہوری طور پر منتخب بھی تھے اور سیکولر بھی۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، امریکا، بیلجیئم، اٹلی، دیگر تمام ممالک سے مذہب کو ریاست سے الگ بھی کر دیا گیا تھا اور حکمران بھی جمہوری طور پر منتخب تھے۔ ان سیکولر جمہوری حکمرانوں نے جنگوں میں اتنے لوگ قتل کیے جن کی تعداد پوری انسانی تاریخ میں قتل ہونے والے افراد سے زیادہ ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ سیکولرازم کا اصل چہرہ ہی یہ ہے۔

یہ انسان کی مروجہ اقدار اور روایت کے برعکس ایک ایسا تصور ہے جسے زبردستی نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جو افراد اپنی روایت اور اقدار کے تحفظ کے لیے آواز بلند کرتے ہیں انھیں قتل کر دیا جاتا ہے یا ان پر تشدد سے سیکولرازم نافذ کیا جاتا ہے۔ وہ

مصر، عراق یا انڈونیشیا کے مذہب سے لگاؤ رکھنے والے مسلمان ہوں، جرمنی کے یہودی یا بھارت کے مسلمان، سکھ اور عیسائی اور شودر سب سیکولرازم کے ظلم کا شکار ہوئے ہیں۔

سیکولرازم نے ہمیشہ لوگوں کا خون بہایا اور اس کو ایک خوبصورت تصور دیا کہ ہم ان لوگوں کو اس لیے قتل کر رہے ہیں کہ یہ جمہوریت اور سیکولر ازم کے دشمن ہیں، تخریب کار ہیں، دہشت گرد ہیں، گوریلے ہیں، ملک دشمن ہیں، غدار ہیں۔ یہی سیکولرازم ہے اور یہی اس کا بھیانک چہرہ ہے اور یہ دو سو سال سے دنیا پر حکمران ہے۔

اسلام پر سیکولرازم کے نقصانات

سیکولرزم نے سب سے زیادہ نقصان عالم اسلام کو پہنچایا، اس لیے کہ سیکولر فکر کے حاملین نے، جس میں کمال اتاترک جیسے لوگ شامل ہیں، خلافتِ اسلامیہ کے سقوط کے سبب بنے، اور عظیم دولت عثمانیہ اسلامیہ کو تقسیم در تقسیم سے دوچار کیا، یہاں تک کہ وہ پچاس حصوں میں تقسیم ہوگئی، اسرائیل کا ناپاک وجود اسلامی ریاستوں کے بیچ عمل میں آیا۔ دنیا میں فحاشی، بدکاری، اور ہر برائی کو پھیلانے کی راہیں ہموار ہوگئیں، اور پوری دنیا کو جمہوریت اور عالمگیریت کے نام پر جہنم کدہ بنا دیا گیا۔

عثمانی سلطنت میں اکثریتی مذہب کے اقتدار کا نظام تھا۔ ترکی میں سیاسی اور معاشرتی اصلاحات کا دور نظمِ نو سے شروع ہوا جسے نظام جدید یا تنظیمات کا نام دیا گیا۔ اس زمانے میں عثمانی سلطنت یورپ کے ساتھ مسلسل جنگوں میں پے در پے شکست سے دوچار تھی۔ اتاترک کی سربراہی میں جدیدیت کی صورت میں مغرب کے نظام کو اپنا لیا گیا۔ خلافت کا خاتمہ کر کے لاطینی رسم الخط اور یورپی لباس اختیار کیا گیا۔ یورپ کے قوانین کا

اجرا ہوا اور سیکولرزم کے اعتبار سے مذہبی اداروں میں اصلاحات جاری کی گئیں۔ سیکولرزم کی فرانسیسی شکل لائیسزم اپناتے ہوئے اختیار مذہبی افراد اور اداروں کے بجائے عوام یا غیر مذہبی قوتوں کو دیا گیا۔ ترکی سے باہر کے مسلمانوں خصوصاً برصغیر میں خلافت کے خاتمے پر شدید احتجاج ہوئے۔ تاہم اس سے خلافت اور سیکولرزم پر بحث کا آغاز بھی ہوا۔

استنبول جسے برسوں خلافت عثمانیہ کے پایۂ تخت ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے، تقریباً پانچ صدیوں تک پورے عالم اسلام پر بلا شرکت غیر حکومت کرتا رہا۔ اس نے یورپ اور مغرب سے اٹھنے والی بہت سی خطرناک آندھیوں کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور علمی اور فکری دونوں میدانوں میں بہت ساری ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اسلامی علوم و فنون کے ان گنت نامور فضلاء کے علاوہ فن تعمیر کے زینان جیسے ماہرین نے یہیں رہ کر اپنے جوہر دکھلائے، جن کی تین سو ساٹھ یادگاریں آج بھی ترکی میں موجود ہیں۔ پریس کا پہلا موجد ابراہیم نامی یہیں پیدا ہوا اور اس کی بدولت دنیا پہلی بار مطبوعہ کتابوں سے روشناس ہوئی۔ فضاء میں اڑنے کا سب سے پہلا کامیاب تجربہ استنبول ہی کے ایک باشندے خدا فین احمد نامی نے سترھویں صدی کے آغاز میں کیا تھا، اس کے بنائے ہوئے چمڑے کے پر آج بھی استنبول کے مشہور برج غلاطہ میں معلق ہیں، جن کے ذریعے اس نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ آٹھ میل (یعنی تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ کلومیٹر کم و بیش) دور تک کا سفر کیا تھا۔

غرضیکہ خلافت عثمانیہ مدتوں سیاسی جاہ و جلال اور علمی و تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز بنی رہی، تاآنکہ انیسویں صدی کے اواخر میں جب وہ نیم جان ہو کر رہ گئی تو اس وقت

تازہ دم ولولوں سے معمور مغربی تہذیب اس کے مقابلے میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ اس وقت جو صنعتی اور فکری طاقت تھی اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بڑی خود اعتمادی، انتہائی متوازن فکر اور فکری و عملی جرأت درکار تھی، جو اس وقت میسر نہ آ سکی، جس کے نتیجے میں ترکی کی قیادت افراط و تفریط کی دو انتہاؤں میں ڈھلک گئی۔ لیکن اس آخری دور میں بھی خلافت عثمانیہ اپنی ہزار کمزوریوں کے باوجود پورے عالم اسلام کے لئے بدستور ایک مرکز کا کام دے رہی تھی اور اس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح ایک لڑی میں پروئے رکھا۔ اس نظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ضرورت اس بات کی تھی انہیں ختم کر کے اس کی مرکزیت کو باقی رکھا جاتا اور اسے نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے مؤثر طور پر کام میں لایا جاتا، لیکن مغربی تہذیب سے بری طرح شکست کھائے مرعوب ذہنوں نے ان خرابیوں کے ازالے کے بجائے خلافت عثمانیہ پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیے، یہاں تک کہ کمال اتاترک نے اسلامی خلافت کو ختم کر کے ملک کو ایک لادینی ریاست کے اندھیرے میں دھکیل دیا اور اس کی ماضی کی شان دار لہلہاتی اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا، اسی کو شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے درد بھرے لہجے میں کہا:

چاک کر دی ''ترک ناداں'' نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

کمال اتاترک کی اصلیت

کمال اتاترک کے سیکولر انقلاب کے بعد اسلامی قانون اور شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے وہاں سوئٹزرلینڈ کا دیوانی، اٹلی کا فوج داری اور جرمنی کا تجارتی قانون نافذ کر دیا گیا۔ دینی تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی۔ پردے کو قانون کے خلاف قرار دے دیا گیا۔ درس گاہوں میں مرد و زن کا مخلوط نظام تعلیم شروع کرا دیا گیا۔ عربی رسم الخط کے بجائے ترکی زبان کے لئے لاطینی رسم الخط کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ عربی زبان میں اذان دینے پر پابندی لگا دی گئی۔ ترک قوم کا اسلامی لباس مغربی نیم عریاں لباس میں تبدیل کر دیا گیا۔ ترکوں کے لئے ہیٹ کا استعمال لازمی قرا دے دیا گیا اور اس غرض کے لئے ایک خون ریز جنگ لڑی گئی، جس میں ترکوں کے سروں پر ہیٹ رکھنے کے لئے نہ جانے کتنے سر اتارے گئے۔

کمال اتاترک نے یہ تمام تر تبدیلیاں محض اس خیال سے کی تھیں کہ ترک عوام اپنے ماضی سے کلی طور پر کٹ کر اپنا رشتہ مغربی تہذیب سے جوڑ لیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ترکی ملک معاشی اور سیاسی ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کر سکے گا۔ آج کمال اتاترک کے لائے ہوئے اس سیکولر انقلاب کو تقریباً ایک صدی بیت چکی ہے، لیکن ترکی میں آج سے پندرہ برس قبل تک ماسوائے چند وقفوں کے وہی سیکولر ذہن حکمرانی کرتا رہا ہے جو بحیثیت مجموعی کمال اتاترک کا ذہن تھا۔ چنانچہ ترکی کے موجودہ صدر طیب رجب اردگان کے خلاف حالیہ ناکام فوجی بغاوت اسی اتاترک سیکولر ذہنیت کی حامی تھی۔

کمال اتاترک نے ترکی ملک پر یورپی اور مغربی تہذیب کے تمام اثرات کو نافذ کرنے کے لئے تعلیم اور ذرائع ابلاغ سے لے کر جبر و استبداد تک ہر حربہ پورے جوش و خروش سے آزمایا ہے۔ لیکن اگر ترکی معاشرے پر کمال اتاترک کے اس سیکولر انقلاب کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت خوب اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بڑے بڑے شہروں کی حد تک تو یہ سیکولر انقلاب فحاشی و عریانی کو یورپ کی سطح تک لانے اور لوگوں کا لباس اور رسم الخط بدلنے میں بے شک کامیاب رہا ہے، لیکن جہاں تک ملک کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے ان میں کمال اتاترک ذہنیت کی یہ طویل ترین حکمرانی اسے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکی۔ ترکی کے مسلمانوں کی بھاری تعداد فطرتی طور پر اس سے پہلے بھی کمال اتاترک کی اس روش کی ہم نوا نہیں تھی جو اس نے اسلام کے خلاف اختیار کی تھی، لیکن اس کے اس انقلاب کے تقریباً ایک صدی کے نتائج کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اب وہاں خاص طور پر احیائے اسلام کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں۔

یاد رہے کہ ایک مرتبہ ایک مقام پر کمال اتاترک نے العیاذ باللہ! قرآن مجید کا نسخہ شیخ الاسلام کے سر پر دے مارا تھا، وہاں اب الحمدللہ! قرآن کریم کی تعلیم کے سینکڑوں ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ جہاں عربی زبان میں اذان دینے پر پابندی لگائی گئی تھی، وہاں اب پورا شہر اذانوں کی آواز سے گونج رہا ہے۔ جہاں خواتین کے لئے پردہ کرنا جرم قرار دیا گیا تھا، وہاں اب خواتین مکمل پردے میں نظر آتی ہیں۔ اور اب اگر اللہ تعالیٰ نے خیر کی تو ان شاء اللہ! اسلام پسند مثالی ترکی صدر طیب رجب اردگان ترکی ملک کو بچے کھچے سیکولر ترکی سے نکال کر مکمل اسلامی ترکی کی راہ پر گامزن کر دیں گے۔

معیشت پر سیکولرازم کے منفی اثرات

سیکولرازم کا ایک نقصان جو یورپ کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک میں دن بدن زیادہ ہورہاہے وہ رزق کمانے میں حلال وحرام کا فرق ختم کرناہے۔ سیکولر نظام میں دین کا عمل دخل نہیں بس دنیا کمانے کی دھن ہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے پاکستان کا نظام سود اور حرام طریقوں پر بہت زیادہ مشتمل ہے۔ دراصل یہ ملحدین کے نظام اشتراکیت و کیپٹل ازم رائج ہونے کے سبب ہے۔

معاشی نظام: معیشت کے باب میں الحاد نے دنیا کو دو نظام دیے۔ ان میں سے ایک ایڈم سمتھ کا سرمایہ دارانہ نظام یا کیپیٹل ازم اور دوسرا کارل مارکس کی اشتراکیت یا کمیونزم۔ کیپیٹل ازم دراصل جاگیر دارانہ نظام(Feudalism) ہی کی ایک نئی شکل ہے جو عملی اعتبار سے جاگیر دارانہ نظام سے تھوڑاسا بہتر ہے۔ کیپیٹل ازم میں مارکیٹ کو مکمل طور پر آزاد چھوڑا جاتاہے جس میں ہر شخص کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ دولت کے جتنے چاہے انبار لگالے۔ جس شخص کو دولت کمانے کے لامحدود مواقع میسر ہوں وہ امیر سے امیر تر ہوتا جائے گا اور جسے یہ مواقع میسر نہ ہوں وہ غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ حکومت اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اصرار ہے کہ ہر انسان کو تجارتی و صنعتی سرگرمیوں کے لئے قطعی آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ منافع کے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرلے، منافع کے حصول کے لئے مذہبی قوانین کے تحت حلال و حرام کی کوئی تفریق نہیں ہونی چاہئے۔ نیز اس معاشی نظام میں سود، بیمہ، انٹرسٹ وغیرہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

جاگیر دارانہ نظام کی طرح اس نظام میں بھی سرمایہ دار، غریب کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کا استحصال کرتا ہے۔ غریب اور امیر کی خلیج اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ایک طرف تو گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں اور دوسری طرف کھانے کو دال بھی میسر نہیں ہوتی۔ ایک طرف تو ایک شخص ایک وقت کے کھانے پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتا ہے اور دوسری طرف ایک شخص کو بھوکا سونا پڑتا ہے۔ ایک طرف تو علاج کے لئے امریکہ یا یورپ جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ڈسپرین خریدنے کی رقم بھی نہیں ہوتی۔ ایک طرف بچوں کی تعلیم کے لئے ترقی یافتہ ممالک کی یونیورسٹیوں کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور دوسری طرف بچوں کو سرکاری سکول میں تعلیم دلوانے کے لئے بھی ماں باپ کو فاقے کرنا پڑتے ہیں۔ ایک طرف محض ایک لباس سلوانے پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف استعمال شدہ کپڑے خریدنے کے لئے بھی پیٹ کاٹنا پڑتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے اس تفاوت کی مکمل ذمہ داری الحاد پر ہی نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ اس کا پیشرو نظام فیوڈل ازم، جو کہ اس سے بھی زیادہ استحصالی نظام ہے۔ اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلاب کے بعد فیوڈل ازم کی کوکھ سے کیپیٹل ازم نے جنم لیا جو کہ امیر کے ہاتھوں غریب کے استحصال کا ایک نیا نظام تھا لیکن اس کا استحصالی پہلو فیوڈل ازم کی نسبت کم تھا کیونکہ وہاں تو بہتر مستقبل کی تلاش میں غریب کسی اور جگہ جا بھی نہیں سکتا۔ چونکہ اہل مغرب اور اہل اسلام اپنے دین کی تعلیمات سے خاصے دور ہو چکے تھے، اس لئے یہ نظام اپنے پورے استحصالی رنگ میں پنپتا رہا۔

یورپ میں کارل مارکس نے کیپیٹل ازم کے استحصال کے خلاف ایک عظیم تحریک شروع کی جس میں اس نظام کی معاشی ناہمواریوں پر زبردست تنقید کی گئی۔ مارکس اور ان کے ساتھی فریڈرک اینجلز، جو بہت بڑا ملحد فلسفی تھا، نے پوری تاریخ کی ایک نئی توجیہ (Interpretation) کر ڈالی جس میں اس نے معاش ہی کو انسانی زندگی اور انسانی تاریخ کا محور و مرکز قرار دیا۔ ان کے نزدیک تاریخ کی تمام جنگیں، تمام مذاہب اور تمام سیاسی نظام معاشیات ہی کی پیداوار تھے۔ انہوں نے خدا، نبوت اور آخرت کے عقائد کا انکار کرتے ہوئے دنیا کو ایک نیا نظام پیش کیا جسے تاریخ میں کمیونزم کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔ کمیونزم کا نظام خالصتاً الحادی نظام تھا۔

کمیونسٹ نظام انفرادی ملکیت کی مکمل نفی کرتا ہے۔ اسے اشتراکی نظام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی بھی کاروبار شخص کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ قومی ملکیت ہوتی ہے اور سبھی افراد حکومت کے ملازم ہوتے ہیں۔ اشتراکیت کی مختلف صورتیں موجودہ دور میں رائج ہیں۔

اس نظام میں تمام ذرائع پیداوار جن میں زراعت، صنعت، کان کنی اور تجارت شامل ہے کو مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں دے دیا جاتا ہے۔ پوری قوم ہر معاملے میں حکومت کے فیصلوں پر عمل کرتی ہے جو کہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کمیونسٹ جدوجہد پوری دنیا میں پھیل گئی۔ اسے سب سے پہلے کامیابی روس میں ہوئی جہاں لینن کی قیادت میں 1917ء میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا اور دنیا کی پہلی کمیونسٹ

حکومت قائم ہوئی۔ دوسرا بڑا ملک، جس نے کمیونزم کو قبول کیا، چین تھا۔ باقی ممالک نے کمیونزم کی تبدیل شدہ صورتوں کو اختیار کیا۔

کمیونزم کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس میں فرد کے لئے کوئی محرک (Incentive) نہیں ہوتا جس سے وہ اپنے ادارے کے لئے اپنی خدمات کو اعلیٰ ترین انداز میں پیش کرسکے اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت کرسکے۔ اس کے برعکس کیپیٹل ازم میں ہر شخص اپنے کاروبار کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے دن رات محنت کرتا ہے اور اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتیں استعمال کرتا ہے۔

کمیونزم کی دوسری بڑی خامی یہ تھی کہ پورے نظام کو جبر کی بنیادوں پر قائم کیا گیا اور شخصی آزادی بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین کی معیشت کمزور ہوتی گئی اور بالآخر 1990ء میں یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد اسے کیپیٹل ازم ہی کو اپنانا پڑا۔ دوسری طرف چین کی معیشت کا حال بھی پتلا تھا۔ چین نے اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے کمیونزم کو خیر باد کہہ دیا اور تدریجاً اپنی مارکیٹ کو اوپن کرکے کیپیٹل ازم کو قبول کرلیا۔ چین کی موجودہ ترقی کیپیٹل ازم ہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کیپیٹل ازم اور کمیونزم دونوں نظام ہائے معیشت ہی استحصال پر مبنی نظام ہیں۔ ایک میں امیر غریب کا استحصال کرتا ہے اور دوسرے میں حکومت اپنی عوام کا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اہل مغرب نے اعلیٰ ترین اخلاقی

اصولوں کو اپنا کر کیپیٹل ازم کے استحصالی نقصانات کو کافی حد تک کم کر لیا ہے، لیکن تیسری دنیا جس کی اخلاقی حالت بہت کمزور ہے وہاں اس کے نقصانات کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

چونکہ یہاں ہم سیکولرازم والحاد کی تاریخ وافکار کا مطالعہ کر رہے ہیں اس لئے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ پچھلی تین صدیوں میں معیشت کے میدان میں الحاد کو دنیا بھر میں واضح برتری حاصل رہی ہے اور دنیا نے الحاد پر قائم دو نظام ہائے معیشت یعنی کیپیٹل ازم اور کمیونزم کا تجربہ کیا ہے۔ کمیونزم تو اپنی عمر پوری کر کے تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، اس لئے اس پر ہم زیادہ بحث نہیں کرتے لیکن کیپیٹل ازم کے چند اور پہلوؤں کا ایک مختصر جائزہ لیناضروری ہے جو انسانیت کے لئے ایک خطرہ ہیں۔

کیپیٹل ازم کے نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں کے قیام اور بڑے بڑے پراجیکٹس کی تکمیل کے لئے وسیع پیمانے پر فنڈز کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک سرمایہ دار کے لئے اتنی بڑی رقم کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس اتنی رقم موجود بھی ہو تو اسے ایک ہی کاروبار میں لگانے سے کاروباری خطرہ(Business Risk)بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ ایک کاروبار اگر ناکام ہو جائے تو پوری کی پوری رقم ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر وہی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف منصوبوں میں لگائی جائے تو ایک منصوبے کی ناکامی سے پوری رقم ڈوبنے کا خطرہ نہیں ہوتا اور تمام کے تمام منصوبوں کے ڈوبنے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ اسے علم مالیات(Finance)کی اصطلاح میں Diversification کہا جاتا ہے۔

ان بڑے بڑے پراجیکٹس کے لئے رقم کی فراہمی کے لئے دنیا نے Financial Intermediaries کا نظام وضع کیا ہے۔ اس درمیانی واسطے کا سب سے بڑا حصہ بینکوں پر مشتمل ہے۔ یہ بینک عوام الناس کی چھوٹی چھوٹی بچت کی رقوم کو اکٹھا کرنے کا کام کرتے ہیں جس پر بینک انہیں سود ادا کرتا ہے۔ پوری ملک کے لوگوں کی تھوڑی تھوڑی بچتوں کو ملا کر بہت بڑی تعداد میں فنڈ اکٹھا کر لیا جاتا ہے جو انہی سرمایہ داروں کو کچھ زیادہ شرح سود پر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر بینک عوام کو 8٪ سود کی ادائیگی کر رہا ہے تو سرمایہ دار سے 10٪ سود وصول کر رہا ہو گا۔ اس 2٪ میں بینک اپنے انتظامی اخراجات پورے کر کے بہت بڑا منافع بھی کما رہا ہوتا ہے۔

سرمایہ دار عموماً اپنے سرمایے کو ایسے کاروبار میں لگاتے ہیں جو اس سرمایے پر بہت زیادہ منافع دے سکے۔ اگر ہم دنیا بھر کی مختلف کمپنیوں کی سالانہ رپورٹس (Annual Reports) کا جائزہ لیں تو ہمیں اس میں ایسے کاروبار بھی ملیں گے جن میں Return on Capital Employed کی شرح 50٪ سالانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی۔ اس منافع کا ایک معمولی سا حصہ بطور سود ان غریب لوگوں کے حصے میں بھی آتا ہے جن کا سرمایہ دراصل اس کاروبار میں لگا ہوتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھ لیجئے کہ بالفرض ایک سرمایہ دار کسی بینک سے ایک ارب روپے 10٪ سالانہ شرح سود پر لیتا ہے اور اس سرمائے سے پچاس کروڑ روپے سالانہ نفع کماتا ہے۔ اس میں سے وہ دس کروڑ بینک کو بطور سود ادا کرے گا اور بینک اس میں سے 8٪ سالانہ کے حساب سے آٹھ کروڑ روپے اپنے کھاتہ داروں (Deposit

(Holders) کو ادا کرے گا۔ چونکہ یہ کھاتہ دار بہت بڑی تعداد میں ہوں گے جنہوں نے اپنی تھوڑی تھوڑی بچت بینک میں جمع کروائی ہو گی، اس لئے ان میں سے ہر ایک کے حصے میں چند ہزار یا چند سو روپے سے زیادہ نہیں آئے گا۔ اس طریقے سے سرمایہ دار، عام لوگوں کو چند ہزار روپے پر ٹرخا کر ان کا پیسہ استعمال کرتا ہے اور اسی پیسے سے خود کروڑوں روپے بنالیتا ہے۔

اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر دار یا مہاجن غریبوں کو سود پر رقم دے کر ان کا استحصال کیا کرتا تھا، اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار غریبوں سے سود پر رقم لے کر ان کا استحصال کرتا ہے۔ عوام الناس بھی تھوڑا سا سود کھا کر جہاں اپنی دنیا و آخرت خراب کرتی ہے وہاں اپنی رقم کاروبار میں نہ لگا کر اس کی ویلیو کم کرتی ہے، وہ لاکھ جس سے کچھ سال پہلے کافی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں وہی لاکھ بینک میں پڑا پڑا چند ہزار کے برابر ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ فیوڈل ازم کے مہاجنی سود کا سلسلہ بھی اس نظام میں پوری طرح جاری ہے جس میں کریڈٹ کارڈز کے ذریعے مائیکرو فنانسنگ Micro-Financing کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معاملے میں 36٪ سالانہ کے حساب سے سود بھی وصول کیا جارہا ہے۔ اس سود میں سے صرف 8-10٪ اپنے کھاتہ داروں کو ادا کیا جارہا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک اور پہلو جوئے کا فروغ ہے۔ یہ لعنت فیوڈل ازم میں بھی اسی طرح پائی جاتی تھی۔ دنیا بھر میں جوا کھیلنے کے بڑے بڑے ادارے قائم کئے جاچکے ہیں۔ سٹاک ایکسچینج، فاریکس کمپنیز اور بڑی بڑی کیپیٹل اور منی مارکیٹس ان کیسینوز

کے علاوہ ہیں جہاں بڑی بڑی رقوم کا سٹہ کھیلا جاتا ہے۔ کھربوں روپے سٹے میں برباد کر دیے جاتے ہیں مگر بھوک سے مرنے والے بچوں کا کسی کو خیال نہیں آتا۔ ان کیسینوز میں جوئے کے ساتھ ساتھ بے حیائی اور بدکاری کو بھی فروغ مل رہا ہے بلکہ دنیا بھر میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے جوئے اور بدکاری کے مراکز بھی قائم کئے جاچکے ہیں۔ سود اور جوا ایسی برائیاں ہیں جن کا تعلق الحاد کی اخلاقی بنیادوں سے قائم کیا سکتا ہے۔

★... فصل چہارم: سیکولرازم سے متاثر افراد کی اقسام...★

سیکولر فکر رکھنے والوں کی اقسام وانواع: سیکولرزم سے متأثر افراد کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم: ان کافر اور بے دین لوگوں کی، جو اسلام کا انکار کرے، اگر وہ مسلمان ہو اور ایسی بات کرے تو مرتد شمار ہو گا۔

دوسری قسم: ان منافقوں کی، جو نام کے مسلمان ہو یعنی بظاہر اسلام کو تسلیم کرتے ہوں، مگر دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہوں، ان کا پورا میلان اندر سے اسلام مخالف، بلکہ اسلام دشمن نظریات کی جانب ہوں، اس وقت مسلم معاشرہ میں یہ لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں، چند نشانیوں سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، وہ نشانیاں یہ ہیں:

1۔ وہ اپنے آپ کو مصلحِ ملت، مفکرِ اسلام یا مجدد ٹھہراتے ہوں، حالانکہ اسلام اور اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کررہے ہیں، ان کی حالت اسلامی تعلیمات اور مطالبات کے بالکل برعکس ہو، یہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

2۔ وہ یہ آواز لگاتے ہوں کہ اسلامی تعلیمات، عصرِ حاضر میں جاری کرنے کے قابل نہیں، اس لیے کہ (العیاذ باللہ) وہ فرسودہ ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں، لہٰذا عالمی قانون کو مسلمان تسلیم کرلے، اس لیے کہ (العیاذ باللہ) وہی مسلمانوں کے لیے شریعتِ اسلامیہ کے مقابل زیادہ نفع بخش اور مفید ہے۔

3۔ وہ اباحیت پسندی کے شکار ہوں، حرام کو حلال کرنے اور حلال کو حرام کرنے کے درپے ہوں، اورانہیں اپنے گناہ کی سنگینی کا احساس بھی نہ ہو۔

4۔ دین پر عمل کرنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اوردینی شعائر مثلاً، داڑھی، ٹوپی، کرتہ وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہوں اوردیندار کو کم عقل تصور کرتے ہوں۔

5۔ اس کے فکری رجحان کی کوئی سمت متعین نہ ہو، جدھر کی ہوا ادھر کا رُخ، اس کی طبیعت ثانیہ ہو، مثلاً جب تک روس کو غلبہ تھا کمیونزم کے حامی اور اب امریکہ کو غلبہ حاصل ہے، تو سرمایہ داریت اور جمہوریت کے شیدائی ہوں۔

تیسری قسم: ان مسلمانوں کی ہے، جو سیکولرازم اور جمہوریت، حقوقِ انسانی، آزادیٔ نسواں، آزادیٔ رائے، دین اورسیاست میں تفریق جیسی اصطلاحات سے متأثر ہوں، جن کو آج کل مغربیت زدہ مسلمان، کہا جاتا ہے، یہ اسلام کو مانتے ضرور ہیں، اس کی حقیقت کے بھی قائل ہیں، مگر دینی علم سے دوری یا کمی کی وجہ ان خوشنما اصطلاحات سے متأثر ہو گئے ہوں۔

★...فصل پنجم:

سیکولرازم والحاد کو عام کرنے کے اسباب...★

اسلام دشمن طاقتوں نے خاص طور پر صہیونی، صلیبی اشتراک، جس کو ماسونیت بھی کہا جاسکتا ہے، سیکولر و لبرل ازم اور الحاد کو مسلمانوں میں عام کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔

الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اسلام، یہ دور انحطاط کی کھوج ہے، اور اس کی تعلیمات، روایات قدیمہ کی حامل ہے، (العیاذ باللہ) مادی ترقی کے دور میں قابل عمل نہیں رہا، علمائے اسلام کو جاہل و شدت پسند اور دہشت گرد ثابت کیا جائے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، الحمدللہ! کسی بھی زمانہ میں انسان کی حقیقی ترقی، جس کو روحانی ترقی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اس کا حامل اگر ہے تو یہی اسلام، اس لیے کہ انسان کی حقیقی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرلے، اور دنیا میں اس کا تقرب حاصل کرلے، قرآن کا اعلان ہے "تم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز و برگزیدہ اللہ رب العزت کے نزدیک وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو" یعنی گناہوں سے اسی طرح لوگوں کو اور مخلوق کو تکلیف دینے سے مکمل اجتناب کرتا ہو، یہ ہے اصل ترقی کا زینہ۔ تمام تاریخ اٹھا کر دیکھ لیا جائے تو بڑے بڑے جید علمائے کرام نے ملک و قوم کی ترقی اور دین اسلام کی خوبیوں کو عقلی و نقلی طور پر ثابت کیا ہے اور جابر و ظالم حکمرانوں کے آگے ڈٹ کر مقابلہ

کیا ہے۔ علمائے حق نے فقط دہشت گردی کی مذمت ہی نہیں کی بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی تردید کی ہے۔

یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اسلام خونی مذہب ہے

العیاذ باللہ یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اسلام خونی مذہب ہے، یعنی اس کی تاریخ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اگر تاریخ کا غائرانہ مطالعہ کریں، تو معلوم ہوگا کہ پچھلے سو سال میں جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر دنیا میں جتنا ظلم ہوا اور قتل وغارت گری ہوئی، اسلام میں، اس کی ایک بھی نظیر نہیں ملتی، ایک سروے کے مطابق "اوریا مقبول جان" مشہور صحافی تحریر کرتے ہیں کہ پچھلے سو سال میں تقریباً سترہ کروڑ انسانوں کو جمہوریت کے بھینٹ چڑھا دیا گیا، اس سے سولہویں صدی میں ریڈ اینڈینز کو سو ملین کی تعداد میں نئی دنیا کی دریافت کے نام بے قصور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، غرناطہ میں تیس لاکھ مسلمانوں کو صلیبیت کے نام پر قربان کر دیا گیا، فلسطین میں لاکھوں مسلمانوں اور یہودیوں کو عیسائیوں نے بلاجرم قتل کر دیا، برما میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا، جبکہ اسلامی تاریخ میں مسلمان امراء کی فراخ دلی، رعایا سے ہمدردی اور انصاف کوئی پوشیدہ چیز نہیں، نیک مسلمان سلطانوں اور امراء نے تو ظلم کیا ہی نہیں، بلکہ فاسق وفاجروں بھی نے کیا بھی ہوگا، تو وہ اس ظلم کے سویں حصہ کیا، یا ہزارویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہے، ہماری تاریخ خونی اور ظالمانہ نہیں، اگر ظالمانہ تاریخ ہے، تو تاریخ انہی سیکولرازم کا نعرہ دینے والوں کی ہے، مگر اپنا عیب چھپانے کے لیے وہی اپنا قصور مسلمانوں پر تھوپ دیا۔

ملحد لوگوں کا کہنا کہ قرآن ایک خاص نسل کے لیے ہے

قرآن وحدیث کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ وہ ایک خاص جماعت اور نسل کے لیے نازل کیا گیا تھا، یا یہ کہنا کہ قرآن وحدیث کی، العیاذ باللہ کوئی حقیقت نہیں، وہ تو انسان ہی کا مرتب کردہ ہے، جب کہ حقائق اس کا صراحت کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔

ایمان بالغیب کا انکار

ایمان بالغیب کا انکار کرنا اور اس کا مذاق اڑانا اور یہ کہنا کہ نیچریت اور طبیعت اس کو تسلیم نہیں کرتی، اور اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ملائکہ، جن، جنت، دوزخ، حساب، برزخ، قدر، معراج، معجزات، انبیاء وغیرہ، یہ سب محض خرافات ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں، حالانکہ قرآن نے پہلے پارے کے پہلے ہی رکوع میں متقی مسلمانوں کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا "یؤمنون بالغیب" ترجمہ: وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

مسلم معاشرے کی اخلاقی قدروں کو ختم کرنا

مسلمان معاشرہ میں موجود اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کرنا اور اباحیت پسندی کو فروغ دینا، تعلیمی نصاب میں ایسا مواد سمو دینا، جس سے قوم طفولیت ہی سے ایمان باللہ، ایمان بالقیامۃ سے محروم رہے، اور جنسیت، مادیت، فیشن پرستی کا دلدادہ ہو جائے، ماحول ایسا بنا دیا جائے کہ عشق بازی، حیاسوزی، نوجوانوں کی عادت بن جائے، ایسی ایسی فلمیں اور سیریلیں بنائی جائیں، جس میں مار پیٹ، لڑائی، جھگڑا، فتنہ، فساد، عشق و محبت، بداخلاقی و

بدکرداری کو فروغ حاصل ہو، حالانکہ بداخلاقی، بدکرداری، عشق بازی، فتنہ فساد سے، تعلیمات اسلامیہ مکمل اجتناب کا درس دیتی ہیں۔

توحید کے مقابلہ میں روشن خیالی کو عام کرنا

توحید کے مقابلہ میں روشن خیالی، مزعوم اعتدال پسندی جس کو دوسرے لفظوں میں Modernism کہا جاسکتا ہے، ہر طبقہ میں عام کرنے کی مکمل کوشش کی جارہی ہے، جو سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی اور معارض ہے۔

اسلام کے خلاف جاری فکری یلغار

اسلام کے خلاف جاری فکری یلغار کو ثقافت اور تبادلۂ ثقافت کا نام دیا جارہا ہے، تاکہ فکری یلغار کا احساس زندہ نہ ہو، اور مسلمان مِن وعَن مغربی ثقافت کو دلجمعی کے ساتھ قبول کرلے۔

اسلامی تاریخی شخصیات کو دہشت گرد کہنا

بلادلیل وبرہان اسلام کو "دہشت گرد" اور مسلمانوں بالخصوص بعض تاریخی لیڈر جیسے اورنگ زیب وغیرہ کو متعصب اور ظالم، قاتل وسفاک اور بے رحم ثابت کیا جارہاہے، تاکہ لوگ اسلام اور مسلمان سے متنفر رہے، اور اسلام کو فروغ حاصل نہ ہو۔

محرمات کو عام کرنا

شراب، جوا، سود اور محرمات کو خوشنما اور نئے نئے ناموں سے مسلمانوں میں متعارف اور عام کیا جارہاہے، تاکہ حلال وحرام کی تمیز باقی نہ رہے، اور مسلمان بے

دھڑک اس کی خرید و فروخت اور استعمال میں مشغول ہو جائے۔ جو علمائے دین حرام اشیاء کے متعلق فتاوی دیں ان پر اتنی تنقید کی جائے کہ عوام ان کو معاذ اللہ جاہل اور ترقی میں رکاوٹ سمجھیں۔

اسلامی سزاؤں پر تنقید

اسلام اور اس کی تعلیمات مثلاً حدود، تعزیرات وغیرہ اور اسلامی شخصیات، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، مجاہدین وغیرہ سے استہزاء اور ان کی زندگیوں کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے مشکوک کرنا وغیرہ۔ اسلامی سزاؤں میں عورت کو مظلومہ ظاہر کرنا اور زنا کے مسئلہ میں یہ مشہور کرنا کہ جب عورت کی عزت لوٹی جارہی ہو اس وقت عورت چار گواہ کہاں سے لائے۔

عوام کو علماء سے متنفر کرنا

مسلم علماء کو اپنے قول و فعل میں نظر انداز کرنا ان کے متعلق نصاب سے مواد ختم کرنا اور عصر حاضر کے علماء سے عوام کو مختلف طریقوں سے بد ظن کرنا اور دین کی باتوں کو معاذ اللہ دقیانوس ثابت کرنا اور مغربی باطل نظریات کو خوب عام کرنا، اور ہر ممکن یہ کوشش کرنا کہ ان باطل نظریات کے حاملین کو علم و تحقیق کے باب میں بلند ترین مقام دینا اور یہ کہنا کہ یہی لوگ حقیقت میں دنیائے علم و تحقیق کے درخشندہ ستارے ہیں اور انہوں نے دنیا پر بڑا احسان کیا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، کیوں کہ علم و تحقیق کے نام پر انہوں نے دنیا کو گمراہ کیا، مثلاً ڈارون، فرائیڈ، مارگولیتھ، کارل مارکس، آدم اسمیتھ، دورکایم، جان پول، وغیرہ یہ ائمہ ضلال تو ہو سکتے ہیں، مگر محسن نہیں ہو سکتے۔

...باب دوم: لبرل ازم...

...فصل اول: لبرل ازم کی تعریف و تاریخ...

لبرل ازم تعریف و تاریخ

لفظ "لبرل" قدیم روم کی Latin زبان کے لفظ "لائبر" یا "لیبر" یا پھر اسی لفظ کے ایک مترادف "لائبرالس" سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب "جسمانی طور پر آزاد شخص" ہے۔ یعنی ایسا انسان جو کسی کا غلام نہ ہو۔ یہ معنی اٹھارہویں صدی تک رہا اور ہر آزاد شخص کو لبرل کہا جاتا رہا۔ اٹھارہویں صدی میں اس کے معنٰی میں یہ تبدیلی آگئی کہ "فکری" طور پر آزاد شخص کو لبرل کہا جانے لگا یعنی ایسا شخص جو مذہب کی پابندیوں کو نہ مانے اور اپنی فکر میں آزادی کا دعوے دار ہو۔ویکی پیڈیا میں ہے:" آزاد خیالی liberalismاس سیاسی فلسفے کا نام ہے جو شخصی آزادی، جمہوری نظام حکومت اور آزادی تجارت، کا پرچار کرے۔ آزاد خیالی کی تحریک اٹھارویں اور انیسویں صدی، کی پیداوار ہے۔ جبکہ درمیانے طبقے کے لوگوں نے جاگیر داری اور مطلق العنانی کے خلاف جدوجہد کی۔ انقلاب امریکا، اور انقلاب فرانس، اسی کی پیداوار ہے۔ سب سے پہلے آزاد خیالی کا لفظ اہل سپین، نے استعمال کیا۔ اور اسی طرح سب سے پہلے آزاد خیال سیاسی جماعت بھی وہیں منظم ہوئی۔ معاشی اعتبار سے آزاد خیالی سے مراد یہ ہے کہ آزاد تجارت، ذاتی ملکیت اور بلاروک ٹوک درآمد اور برآمد کی اجازت۔" (ویکیپیڈیا)

چودھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہونے والی تحریک احیائے علوم (Reformation) کے اثرات یورپ میں پھیلنے سے یہ اصطلاح منظر عام پر آئی۔

برطانوی فلسفی John Locke پہلا شخص ہے جس نے لبرل ازم کو باقاعدہ ایک فلسفہ اور طرز عمل کی شکل دی۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، 846:10)

لبرل ازم دراصل "عیسائیت" کی کوکھ سے جنم لینے والا وہ ناجائز بچہ ہے جس کی بنیاد مذہبی تعلیمات سے مطمئن نہ ہونا تھا۔ عیسائیت کا عقیدہ ہے کہ تمام انسان پیدائشی گنہگار ہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا تھا۔ جان لاک 1620-1704 نے اسی مذہبی عقیدے سے بغاوت پر مشتمل اپنا خود ساختہ فلسفہ قائم کیا کہ انسان کیسے گنہگار ہو سکتا ہے جبکہ آدم کے گناہ میں باقی انسانوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ چنانچہ مذہبی عقائد پر شک وشبہ نے جنم لینا شروع کیا جو بالآخر مذہب کو دیوار سے لگانے پر اختتام پذیر ہوا۔

لبرل ازم کی وضاحت

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ "لبرل ازم"، سیکولرازم نہیں ہے۔ سیکولرازم میں دین کو عبادت گاہوں تک محدود کیا جاتا ہے اور لبرل ازم میں دین سے ہی آزاد ہوا جاتا ہے۔

لبرل ازم کے دو اصول اس کی اساس ہیں۔ آزادی اور مساوات۔

آزادی کی حدود لامحدود ہیں، تاہم کچھ ناموں یا اصطلاحات سے اس کو بیان کیا جاتا ہے:

☆ **آزادی سے مراد آزادیِ اظہار، صحافت، مذہب، خیال وغیرہ ہیں۔ شہری آزادیاں، انسانی حقوق، قانونی حقوق، سب اس میں شامل ہیں۔ کوئی لبرل حکومت یا ریاست ان کو کسی صورت میں سلب نہیں کر سکتی، ان کو محدود نہیں کر سکتی۔**

☆ سیکولر ریاست اور جمہوریت میں ووٹ کا حق، نمایندگی لینے اور دینے کا حق فرد کو حاصل ہے۔ ایک فرد کا ایک ووٹ سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

☆ آزاد مارکیٹ، سرمایہ داری، آزاد تجارت، اجارہ داری سے تحفظ اور بین الاقوامی تعاون ہر ریاست، حکومت اور ملک کی صوابدید ہے۔ سرمایہ داری اور معاشی اصلاحات کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

'آزادی' سے سادہ الفاظ میں مراد یہ ہے کہ انسان ایک فرد کی حیثیت سے ہر طرح سے آزاد ہے۔ اس پر کسی قدغن، پابندی، ضابطے، اخلاق، قید یا سزا کے اطلاق سے اسے انسانی فطرت سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کوئی مذہب، الہامی، روحانی ہدایت یا فلسفہ اسے اس کی آزادیوں سے محروم نہیں کر سکتا۔ انسان کی حیثیت برتر ہے۔ کسی کی حاکمیت، خواہ وہ اللہ، خداوند، رام، دیوتا ہی کیوں نہ ہو، وہ حاکمیت اعلیٰ نہیں۔ اس لیے معاشروں میں انسان کے سوا کسی کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اسی اصول کی رو سے ریاست اور حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ ریاست سیکولر ہوتی ہے اور حکومت اپنے کام، کردار اور پالیسی میں سیکولر ہوتی ہے۔

اب آیئے مساوات کے اصول کی بات کرتے ہیں۔ جس قدر آزادی کا اصول ہمہ گیر سمجھا جاتا ہے مساوات کا اصول بھی اتنا ہی اہم ہے۔ تاہم اس کی اطلاقی حیثیت اور

عملی کیفیت ابھی تک وہ نہیں ہے جو آزادی کے اصول کو حاصل ہو چکی یا دی جا چکی ہے۔ اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

☆ شخصی مساوات جس میں صنف، ذات، رنگ، نسل، علاقہ، زبان، مذہب، عقیدہ یا خیال کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کو دوسروں سے کم تر یا برتر قرار دیا یا سمجھا نہیں جاسکتا۔

☆ صنفی آزادی ہمہ گیر ہے اور صنفی مساوات بھی ہمہ گیر۔ کسی مرد یا عورت کو اس کی صنف کی بنیاد پر حقوق، مراعات، کردار، کام، مواقع اور امکانات سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

☆ طلاق، نکاح، ازدواجی تعلق کی بنا پر مرد اور عورت کو اکٹھے رہنے، الگ ہو جانے، جنسی تعلق قائم کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اسقاطِ حمل، ہم جنس شادی کا حق سلب نہیں کیا جاسکتا۔

لبرل کون؟

اب ایک اور سوال اہم تر ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ لبرل کون ہے؟ بظاہر تو سیدھا سا جواب یہ ہے کہ 'لبرل ازم' کا پیروکار، اس کا ماننے اور اس پر عمل پیرا ہی لبرل ہے، تاہم اس سوال کا نہایت آسان جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ لبرل وہ ہے جو:

☆ اپنی شخصیت، رائے، خواہ وہ کچھ بھی ہو، مذہب، عقیدہ، خیال، تعلیم، کچھ بھی ہو، اس کے خلاف دوسری رائے کا احترام کرتا ہو۔ مثال کے طور پر وہ توحید پر ایمان رکھتا ہے تو کسی کو یہ نہ کہے کہ تم مشرک ہو، کافر ہو وغیرہ۔

☆ وہ وقت کے ساتھ ساتھ سائنس اور استدلال، منطق و فلسفہ اور دیگر دنیاوی تعامل میں سے ابھرنے والے نئے تصورات، نظریات، عقائد، روحانیات کا احترام کرے۔

☆ وہ کسی فرد کی طرف سے شادی کی کسی بھی صورت اختیار کرنے پر اس کی مذمت نہ کرے، نفرت کا اظہار نہ کرے، خواہ مرد مرد سے یا عورت عورت سے شادی کرے۔ کوئی مرد یا عورت ازدواجی تعلق کے بغیر جنسی تعلق قائم کریں تو اس پر گرفت نہ کرے، مذمت یا نفرت نہ کرے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان اعمال، رویوں اور کاموں کو برا سمجھے لیکن دوسروں کے حق کے طور پر ان کا احترام کرے۔

☆ وہ کسی مذہبی، اعتقادی یا روحانی اخلاقیات کا ذاتی حیثیت میں پابند ہو سکتا ہے، لیکن دوسروں کو ایسی اخلاقیات کا پابند بنا سکتا ہے اور نہ ایسا کر سکتا ہے۔ وہ اس کا اظہار اور پرچاریوں کر سکتا ہے کہ جو لوگ اس سے متفق نہ ہوں، ان کی دل آزاری نہ ہو۔

☆ وہ فرد کی حیثیت سے لبرل تعلیم کا حامی ہو، اس کے لیے کسی مذہبی یا اعتقادی تربیت کو لازمی نہ سمجھے۔

اُوپر بیان کردہ کیفیات اور شرائط کسی بھی لبرل کی ذات یا شخصیت کا احاطہ کرتی ہیں۔ معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے لبرل کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے:

☆ لبرل یہ تسلیم کرتا ہے کہ حکومت کا کام کاروبار سنبھالنا ہرگز نہیں ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ معاشرت اور سیاست میں آنے والی تبدیلیوں کا احترام کرے، استبداد کی

ہر ممکن صورت کو ختم کرے۔ اضافی اور غیر ضروری قوانین، جیسا کہ اسلامی قوانین ہیں، کا خاتمہ کرے۔

وہ سیاسی جماعت کی مدد سے بر سر اقتدار آئے لیکن ریاست کو مقدم رکھے۔ ریاست کو کسی الہامی نظریے، عقیدے کا پابند نہ کرے اور کسی مذہب کو سرکاری نہ بنائے۔

☆ معاشرے اور ریاست کو قدامت پرستی کی جانب جانے سے بچائے، آمرانہ حاکمیت قائم نہ کرے۔ حاکمیت اعلیٰ کے طور پر غیر انسانی، الہامی اتھارٹی کو مقرر نہ کرے۔

☆ انفرادی و سیاسی آزادیوں کی ضمانت دے، معاشی آزادی بحال کرے، حکومت میں عام آدمی کی شرکت کو یقینی بنائے، سیاسی و انتظامی اصلاحات کرے، آئین اور قانون کی عمل داری قائم کرے۔

مشہور ہسپانوی فلسفی Jose Ortega Y Gasset نے اپنی کتاب The revolt of the masses میں لبرل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "ایثار اور سخاوت کی آخری حد کو لبرل ازم کہتے ہیں، اپنے کمزور دشمنوں کے ساتھ اشتراک وجود کے عزم کا اظہار لبرل ازم ہے" امریکی مصنف رابرٹ فراسٹ کے مطابق " لبرل اس کشادہ ذہن آدمی کو کہتے ہیں جو مخالف کی گالیاں آرام اور سکون سے سہہ لیتا ہے کیونکہ اس کا دماغ مطمئن ہوتا ہے وہ جمود کا شکار نہیں ہوتا اور لڑائی میں بھی صرف دلائل دینے سے غرض رکھتا ہے۔"

اس تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بحث ومباحثے میں حوصلہ ہار کر گالیوں پر اتر آئے اسے لبرل ازم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق لبرل میں درج ذیل چیزوں کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔فیاض، سخی، بردبار، روادار، فراخدل، بے تعصب، حریت پسند، غیر قدامت پسند

لبرل ازم اور قدامت پرست

قدامت پرست کو لبرل کا متضاد کہا جاتا ہے۔کسی بھی مذہب کا پیروکار، خواہ مسلم ہو یا مسیحی، یہودی ہو یا ہندو یا بدھ مت، جین مت، کنفیوشس ازم وغیرہ۔ان سب میں سے وہ قدامت پرست قرار دیا جاتا ہے جو اپنے عقیدے یا نظریے کی روایات کا پابند ہو، اگر الہامی کتاب ہے تو اس کی لبرل تعبیر پر اعتراض کرتا ہو۔

☆ مذہبی تعلیمات اور ایمانیات سے انحراف گناہ تصور کرتا ہو، حق اور باطل میں فرق کرتا ہو، اچھے اور بُرے کی تمیز کرتا ہو، حلال وحرام کا پابند ہو، اس میں نوعیت، شدت اور درجے کا فرق ہو سکتا ہے۔

☆ اپنے مذہبی، روحانی، اعتقادی یا نظری رویوں، اعتقادات اور اظہار میں وقت کے ساتھ تبدیلی نہ لاتا ہو۔مثال کے طور پر ایک مسلمان صریح شرعی نصوص پر ایمان رکھتا ہے۔ انھیں مسترد کرنے کا، تحریف یا تبدیلی کا سوچ بھی نہیں سکتا، وہ قدامت پرست ہے جس میں نئے خیالات کی گنجائش نہیں ہے۔

☆ دنیا کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر یہ ہو کہ اسے صرف ایمان یا نظریے سے ہی دیکھا اور برتا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک مخصوص انجام ہونا ہے۔ اس میں بھی کمی بیشی اور ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے۔

☆ کسی مذہب یا اعتقاد کی قدامت پرستی کا انحصار اس پر نہیں کہ زمانی اعتبار سے وہ کتنا پرانا ہے، جیسا کہ اسلام جو صدیوں پرانا مذہب ہے۔ اسلام کو قدامت پرست مذہب کہا جاتا ہے۔

لبرل ازم کی تعریف و تاریخ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ ایک غیر اسلامی نظریہ ہے جو بے دینی پر مبنی ہے، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی بھی صورت میں خود کو لبرل کہے۔ ہمارے یہاں بعض مسلمان لیڈر اور پڑھے لکھے افراد فخر سے خود کو لبرل کہتے ہیں اور ان کو لبرل کی تعریف و تاریخ کا اصلاً علم نہیں ہوتا۔

★... فصل دوم: لبرل ازم کی تاریخ و اسباب...★

لبرل ازم کی اصطلاح کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مغربی معاشرے کے اُس ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے جن کے باعث یورپ / مغرب میں لبرل ازم کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ذیل میں ان چند اسباب کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1۔ طبقاتی تقسیم

عام طور پر زمانہ وسطی (Medieval Era) پانچویں صدی عیسویں سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی تک خیال کیا جاتا ہے۔ اس دور کو تاریک زمانہ (Dark Ages) کا نام دیا ہے۔ اس زمانے کے یورپی معاشرے میں طبقاتی تقسیم، توہم پرستی، ظالمانہ سزاؤں کا رواج اور جہالت عام تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ چرچ اور مذہب کی اجارہ داری تھی۔

علاوہ ازیں یورپی معاشرہ میں دولت کی غیر مساوی تقسیم اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے مختلف دیگر طبقات بھی وجود میں آئے:

دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معاشرہ میں امیر و غریب کے درمیان بہت زیادہ فرق ہو گیا تھا۔ غریب لوگوں کا معاشرے میں کوئی قانونی مرتبہ نہیں تھا اور نہ ہی انہیں ان کے بنیادی حقوق میسر تھے۔

اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ کو عمداً اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے یہ حکمت کارفرما تھی کہ معاشرہ میں ہر طبقہ اپنا کام کرتا رہے یعنی دفاع کے ذمہ داران اپنی ذمہ داری نبھائیں۔۔۔ عبادت والے صرف مذہبی معاملات تک رہیں۔۔۔ کاشت اور

تجارت کرنے والے اپنے کام سے کام رکھیں۔۔۔اور اس طرح ہر طبقہ اپنے کام پر مطمئن رہے۔

اس طبقاتی تقسیم نے محرومیوں کو جنم دیا اور عوامی محرومیوں کا رد عمل کئی صورتوں میں ظاہر ہوا۔ کسانوں نے بغاوتیں کیں۔ انفرادی طور پر محروم طبقہ کے لوگ ڈاکو بھی تھے لہذا ان ڈاکوؤں نے زمینداروں، جاگیرداروں اور امراء کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ اس طرح کرنے سے یہ عام لوگوں کے ہیرو بن گئے۔ حتی کہ خانہ بدوش طبقے ان کے گیت گاتے تھے۔

2۔ جاگیرداروں اور تاجروں کی باہمی چپقلش

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل یورپ کا ماحول یہ تھا یورپ نے اپنی جغرافیائی حدود کو بڑھانے کے لئے جنگوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ جاگیردار طبقہ نے اپنی جاگیروں میں اضافہ کے پیش نظر ان جنگوں پر بے حد سرمایہ کاری کی۔ جنگوں کے نتائج مختلف آنے کی صورت میں جاگیردار طبقہ کمزور جبکہ تاجر امیر ہوتے گئے۔ نتیجتاً معاشرے کا توازن بگڑا اور جاگیرداروں کے مقابلے میں تاجر، حکمرانوں کے پسندیدہ بن گئے جو ان جنگوں میں سرمایہ کاری بھی کرتے اور پیسہ ادھار بھی دیتے۔

3۔ مذہبی طبقہ کے باہمی اختلافات

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریہ عقیدہ، عمل اور اختیارات کے حوالے سے اختلاف رونما ہوا۔ مشرقی کلیسا کی The Holy orthodox Church اور مغربی کلیسا کی رومن کیتھولک چرچ کے نام سے تقسیم عمل

میں آئی جس کی وجہ سے عوام کی مذہبی توجہات بھی تقسیم ہو گئیں۔ مذہب کے یہ علمبر دار اپنے آپ کو اللہ کا نائب قرار دیتے ہوئے اپنے ہر حکم کے انکار کو اللہ کے حکم کا انکار قرار دیتے اور منکرین کو قتل کرنے کا حکم صادر کرتے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے آپ کو علم و معرفت کا واحد منبع قرار دیتے۔ نتیجتاً عوام مذہب کے ان علمبر داروں کے باہمی اختلافات، مذہبی تنازعات اور ان کے شدت پر مبنی رویوں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

4۔ مذہبی طبقہ کی علم دشمنی

لبرل ازم سے قبل مغرب میں مذہب کے علمبر دار سائنس کو حرام سمجھتے تھے اور سائنسی تحقیقات کو نہ صرف رد کرتے بلکہ ایسے محققین کو سخت ظالمانہ سزاؤں سے نوازا جاتا تھا۔ مذہب کو جامد اور من مانی تعبیر پہنا کر انسانی ترقی کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ بعض وہ احکامات جو کتاب مقدس میں واضح طور پر موجود تھے اور ان کی حلت و حرمت بھی واضح تھی۔ اس میں بھی انہوں نے من پسند ترمیم کر ڈالی۔

اس وقت یہ صورت حال پیدا ہو چکی تھی کہ مذہب نے انسان کو جامد اور نا ترقی پذیر قرار دے دیا تھا۔ جس کی بنیاد پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا، انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دے دیا گیا بلکہ انہیں سخت سے سخت سزاؤں میں بھی مبتلا کیا گیا۔

مذکورہ اسباب اور پس منظر کے نتیجے میں آزاد خیالی (Liberalism) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی ایک ایسی فکری تحریک اٹھی جسے مغربی فلاسفہ نے روایت پسندی اور مقلدانہ طرز فکر کے مقابل اختیار کیا۔

آزاد خیالی کے متوازی چلنے والی درج ذیل دیگر تحریکات جو دراصل آزاد خیالی اور روشن خیالی ہی کے مختلف دھارے تھے، سب کے پیش نظر روایت، مذہب اور تقلید سے بیزاری اور بغاوت تھی:

1. نشاۃ ثانیہ(Renaissance)
2. تحریک اصلاح علوم(Reformation)
3. تحریک عقلیت پرستی(Ratioinalism)
4. تحریک جدیدیت(Moderanism)
5. سیکولرزم(Secularism)

ان سب تحریکات کا مقصد ایک ہی تھا کہ فرد کو آخرت کی فکر اور کامیابی کے بجائے دنیا اور دنیاوی مفادات کے لئے سعی وجدوجہد کرنا چاہیئے۔

★...فصل سوئم: مغرب میں لبرل ازم کے اثرات...★

روشن خیالی کی اس تحریک کی مذہبی، سیاسی، سائنسی اور اخلاقی حتیٰ کہ جمالیات سے متعلق بھی کئی شاخیں نمو پذیر ہوئیں۔ اس تحریک نے خاص طور پر عقیدہ اور الٰہیات سے انسانی ذہن کو آزاد کرانے کی ذمہ داری لے لی تھی، لہذا الٰہیات اور چرچ کو للکارا گیا۔ اس کے بعد قدیم نظام کے سارے ادارے اس میں شامل ہوگئے۔ ہر طرح کے خیال یا تصور کو جانچ پڑتال کر کے سائنسی تحقیق کے متعلق کر دیا گیا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزاد خیالی کی اصطلاح انگریزی ادب میں آئی اور اس صدی میں آزاد خیال کہلوانے والے کثیر تعداد میں پیدا ہوئے۔

لبرل ازم نے مغرب میں کیا اثرات مرتب کئے؟ آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں:

1۔ تعلیمی اداروں پر اثرات

آزادانہ سوچ اور خیالات یورپ کے مراکز تعلیم میں نشو ونما پاتے رہے۔ خاص طور پر آکسفورڈ کے سائنس سکول اور بعد ازاں آکسفورڈ یونیورسٹی اور دیگر شہروں میں قائم ہونے والے تعلیمی ادارہ جات اس کے مرکز ٹھہرے۔ اس سے وہ لوگ زیادہ متاثر ہوئے جو معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقوں سے تعلق رکھتے تھے اور جن سے نوابوں اور فوجی عہدیداروں کا چناؤ ہوتا تھا۔ ان نوجوان ذہنوں نے جن کے اندر تحقیق اور آزادی عمل کی روح بیدار ہو چکی تھی، اگلے چند سالوں میں متاثر کن کام کئے اور انسان کی آزادئ فکر اور آزادئ عمل کی سیاسی ترقی کی تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئے۔

2۔ آزادی کی تحاریک پر اثرات

جب John انگلستان کا بادشاہ بنا، اس وقت آزادی کی تحریک طبقہ امراء، فوجی عہدیداروں، نوابوں، جاگیرداروں اور عوام الناس میں زور پکڑ چکی تھی۔ یعنی ذہنی طور پر عوام الناس نے اس تحریک کو کامل ترین صورت میں سمجھ لیا تھا اور لوگ اس کے لئے بالکل تیار تھے کہ کسی بھی وقت اپنے حقوق کے لئے اور اپنی آزادی کے لئے کوئی بھی کام کر گزریں۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ King John کے آنے کے بعد فضا کچھ زیادہ ہموار ہو گئی اور لوگوں کے مطالبات بالکل محسوس ہونے لگے۔ کیونکہ وہ ایک ظالم، بے رحم اور خوفناک شخص تھا اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ نوابوں اور طبقہ امراء نے بادشاہ کو 1215ء میں اپنا منشور میگنا کارٹا Magna Karta پیش کیا۔ دنیا میں جو پارلیمانی نظام چل رہا ہے، وہ برطانوی پارلیمانی نظام سے اخذ شدہ ہے، جس کی ابتدا جون 1215ء میں میگنا کارٹا پر شاہ جان کے دستخطوں سے ہوئی اور اس نے تکمیلی شکل 1275ء اور 1295ء میں اختیار کر لی۔ میگنا کارٹا کے معاہدے اور اسی قسم کے دوسرے منشور جنہوں نے تاریخ میں شہرت حاصل کی، وہ لبرل ازم کی تحریک ہی کے باعث ہیں۔

3۔ ملکوں کی آزادی پر اثرات

آزادی کے فکری تخیلات اور فلسفیانہ تشریحات شروع ہوئیں۔ جنہیں بعد میں روسو اور برک نے لیا۔ انیسویں صدی میں ہیگل نے اور چند دیگر حضرات نے اس میں قوت پیدا کی اور اس کے عملی نتائج انیسویں صدی میں ظاہر ہوئے۔ یہ درست ہے کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ان آزادی پسند خیالات کے پھیلاو کا نتیجہ تھا کہ امریکہ

کی آزادی کا منشور، فرانسیسی انقلاب کا منشور اور دیگر حقوق کے امریکی بل منظور کئے گئے۔ یہ تمام لبرل ازم اور روشن خیالی کی تحریک ہی کی بدولت منظر عام پر آئے۔

لبرل مسلمان

اس مختصر تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ جامع انداز میں بتایا جائے کہ لبرل ازم، قدامت پرستی، لبرل، قدامت پرست اور سیکولر کیا ہیں؟ کون ہیں اور ان کے خیالات کیا ہیں؟ اب ہم نسبتاً متنازع معاملہ زیر بحث لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آیا مسلمان لبرل ہوتا ہے، ہو سکتا ہے؟ یاد رہے کہ لبرل طبقات کا کہنا ہے کہ لبرل مسلمان ایک گمراہ کن تعارف ہے۔

اس پہلو کو سمجھنے کے لیے ایک مثال مستعار لی جا رہی ہے۔ لبرل کہتے ہیں کہ ایک چڑیا گھر کا تصور کیجیے۔ اس میں پنجروں میں مختلف جانوروں کو قید رکھا جاتا ہے۔ لبرل مسلمان بھی ایک جانور ہے جو مذہب کے چڑیا گھر میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ بہت سخت مثال ہے لیکن پورا مفہوم واضح کر رہی ہے۔ بعض مسلمان جب کسی مخصوص طرز یا انداز کا اظہار یا مظاہرہ کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ روایت سے الگ ہے، روایت مخالف ہے یا روایت شکن ہے۔

مثال کے طور پر:

* شراب نوشی کرنے والے مسلمان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لبرل مسلمان ہے۔ اب یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر لبرل شراب نوش ہو، یا لبرل ہونا شرابی ہونا ہرگز نہیں ہے۔ چونکہ مسلمان ایسا نہیں کرتا، اس لیے ایسے فرد کو لبرل کہہ دیا جاتا ہے۔

٭ بعض مسلمانوں کا طرز زندگی بظاہر بہت ماڈرن ہوتا ہے۔ وہ پتلون پہنتے ہیں، ٹائی لگاتے ہیں لیکن وہ اپنے نظریات میں دین کے پکے پیروکار ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ وضع قطع میں لبرل ہیں، حالانکہ وہ نہیں ہوتے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ غیر روایتی روایت پرست کہا جا سکتا ہے۔

٭ دینی تعلیمات پر عمل پیرانہ رہنے والے، نماز روزے کے تارک اور زکوٰۃ وصدقات سے دور رہنے والے مسلمانوں کو بھی لبرل کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بے عمل مسلمان ہوتے ہیں، لبرل مسلمان نہیں ہوتے۔

ایسی مثالیں اور بھی ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔ لبرل طبقات کا کہنا ہے کہ ان مثالوں سے ان کی توہین ہوتی ہے حالانکہ 'لبرل ازم' کا کھلا پن کہتا ہے کہ: ''توہین اور غیرت نام کی کوئی شے وجود ہی نہیں رکھتی''۔ وہ آزادیِ اظہار کے نام پر کیسی کیسی توہین کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس کا انھیں احساس بھی نہیں ہوتا۔

دیسی لبرل

سوشل میڈیا پر دیسی لبرلوں کو دیکھیے، ان کے کالم پڑھیے، ان کے میڈیا پر بیانات کا تجزیہ کیجیے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پاکستان میں لبرل ازم کا صرف ایک ہی مقصد ہے، ''اسلام کو ڈی گریڈ کرنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا۔'' یہ لبرل جو خود لبرل ازم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہو چکے ہیں، ان کے لہجوں میں چھپی نفرت اور ان کے لفظوں میں بجھے زہر کا مشاہدہ کیجیے اور پھر خود سے پوچھئے ''کیا یہ لوگ رواداری، فیاضی اور غیر متعصبانہ رویوں کے امام ہو سکتے ہیں؟'' جو مخالف کی ذاتی تنقید سے گھبرا کر سیدھا مقدس ہستیوں کی گندی اور ننگی توہین پر اتر آئیں اور مقدس ہستیاں بھی وہ جو کروڑوں انسانوں کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہیں، ان کے متعلق غلیظ ترین زبان استعمال کرنا کہاں کا لبرل ازم ہے؟

★... فصل چہارم: لبرل ازم کے منفی اثرات...★

آزاد خیالی کی بدولت اگرچہ مغربی معاشرے نے بے حد ترقی کی لیکن بعد میں یہ ہر طرح کی پابندی کے خلاف ایک تحریک بن گئی جو بہر حال مستحسن قدم نہیں تھا۔ فلسفہ الحاد نے جس برق رفتاری سے دنیا میں ترقی کی، اس کی بڑی وجہ آزاد خیالی ہے۔ آغاز میں تو اس تحریک نے محض اس لئے سر اٹھایا تھا کہ اس کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو (عیسائی) مذہب کے ناروا بندھنوں اور نام نہاد حدود و قیود سے آزاد کرایا جائے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس آزاد خیالی نے ذہنی انارکی کی شکل اختیار کرلی اور اب روشن خیالی کے یہ معنی قرار پائے کہ انسان کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہئے۔ خواہ وہ مذہب کی عائد کردہ ہو یا سماج کی۔ اس آزاد خیالی کی عملی انتہا یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو پہلے سے چلی آتی ہو، چاہے اپنے اندر صداقت و افادیت کے کتنے ہی پہلو رکھتی ہو، اسے بہر حال رد کر دینا اور اس کے مقابلے میں کوئی انوکھی اور نئی بات کہنا ہی روشن خیالی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مسلم معاشرے پر لبرل ازم کے اثرات

مغربی روشن خیالی کے اہداف و مقاصد جنہوں نے مغربی معاشرہ کو متاثر کیا، اب خصوصی طور پر اسلامی معاشرہ ان کا ہدف بنا ہوا ہے۔ ان اہداف کے ذریعے ذہنی، تہذیبی اور اخلاقی تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہے۔ لبرل ازم نے جس طرح مغرب میں اپنے اثرات چھوڑے، اس طرح مسلم معاشرہ بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکا۔ ذیل میں مسلم معاشرے پر اس کے اثرات بیان کئے جارہے ہیں:

1۔ تحریک آزادی نسواں

معاشرے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے روشن خیالی کے خاص اہداف میں سے تحریک آزادی نسواں نمایاں ہے۔ یہ تحریک بھی مغرب سے اٹھی اور آج اس کے خوش نما نعرہ کی بازگشت مسلم معاشرے کے اندر بھی سنائی دے رہی ہے۔ مغربی معاشرے میں عورت کے ساتھ جو نفرت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کے رد عمل میں آزادیٔ نسواں کی تحریک شروع ہوئی۔

یورپ میں تحریک آزادی نسواں کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب کے فوراً بعد ہوا۔ فرانسیسی انقلاب کے مفکرین کے نزدیک مساوات مرد و زن کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کے پیش کردہ مساوات کے نعرے آزاد اور جائیداد رکھنے والے مردوں کے سیاسی حقوق تک ہی محدود تھے۔ 1784ء میں فرانس کی انقلابی اسمبلی میں ایک رکن Condorcet نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ شہریوں کے حقوق میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اسے باغی قرار دے کر پھانسی دے دی گئی۔

تحریک آزادی نسواں نے مغربی خواتین کا جس طرح استحصال کیا اب ان کا اگلا ہدف مسلم خواتین ہیں۔ ایک سازش کے تحت عورت کے رخ نسوانیت سے اسلام اور نسوانیت کے اثرات کو مٹایا جا رہا ہے۔ ایمان، عقیدہ، اعمال اور رویے منطقی طور پر شدت اور تیزی سے متاثر ہو رہے ہیں۔ عورت کی فطرت اور مزاج تبدیل ہو رہا ہے اور اس کے حقیقی مقام کی بنیادیں سرکنے لگی ہیں۔

اس وقت اس نام نہاد تحریک کی وجہ سے مسلم معاشرے میں فواحش کا بڑھتا ہوا رجحان دیکھنے میں آرہا ہے۔ آزادانہ اختلاطِ مردوزن کے نقصانات ہر آئے روز عورت کے استحصال کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں فیشن پرستی کا منہ زور سیلاب بھی لبرل ازم کے منفی اثرات کی منہ بولتی تصویر ہے۔

لبرل عورتیں عام بھولی بھالی مسلمان بچیوں کو والدین، اسلام اور دیندار طبقہ سے متنفر کررہی ہیں اور "میرا جسم میری مرضی" کے حیاسوز نعرے لگوارہی ہیں۔ یہ لبرل عورتیں نہ صرف مسلمانوں کی عورتوں کو بے حیا بنارہی ہیں بلکہ مقدس ہستیوں پر تنقید کرواکر ان کا ایمان بھی برباد کررہی ہیں۔

2۔ سیکولر نظام تعلیم

آزاد خیالی کی تحریک نے جہاں عالم اسلام کو دیگر شعبہ ہائے حیات میں متاثر کیا وہاں نظام تعلیم بھی اس کی دسترس سے نہ بچ سکا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ نظام تعلیم روشن خیالی کا خاص ہدف رہا تاکہ ایک ایسی نسل تیار کی جاسکے جو اپنے مخصوص نظریہ حیات سے لاعلم ہو۔ اس قسم کی مادی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس سے مادی ترقی تو کی جاسکے لیکن اخلاقی لحاظ سے یہ قوم بالکل دیوالیہ ہوجائے۔

ہمارے ہاں مروجہ نظام تعلیم اس لئے قائم نہیں کیا گیا کہ مسلمانوں کے کلچر کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے پیش نظر ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو دین سے بیزار ہوں اور محض مادی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے بغیر اخلاقی

اقدار کے آگے بڑھتے جائیں۔ اس طرح کے لبرل و سیکولر نظام تعلیم نے ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔

3۔ سیاسی اثرات

پاکستان کا وجود دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ کے حوالے سے ظہور پذیر ہوا۔ اسی بناء پر عالمی طاقتیں پاکستان میں ایسی سیاسی شخصیات کے سر پر ہاتھ رکھتی ہیں جو زیادہ لبرل بلکہ سیکولر ہوں تاکہ وہ ملکِ پاکستان کے حکومتی معاملات اور مذہبی تعلیمات کو الگ الگ کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے ہاں آج کی ''روشن خیالی'' کے نعرے کی بہت اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ یہ فکر کہاں سے درآمد ہوئی اور اس کے پیچھے کونسے مقاصد کارفرما ہیں۔

عالمی طاقتوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسا لبرل اور سیکولر ذہنیت کا حکمران درکار ہے جو یہاں کے دینی عناصر اور دینی شعائر سمیت تمام دینی اقدار کو ختم کرنے کے درپے ہو اور لادینی افکار کا حکومتی سطح پر پرچار کیا جاتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں آج اور اس سے بھی پہلے کئی ادوارِ حکومت میں حکمرانوں کی طرف سے دینی نظریات کا مذاق اڑائے جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

4۔ معاشرتی واخلاقی اثرات

معاشرے کو سیکولر و لبرل بنانے کے لئے ایسی روایات اور اقدار کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر بھی کی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں فحاشی عام ہو۔ المیہ یہ ہے کہ ایسی روایات معاشرے کے لئے کوئی صحت مند سرگرمیاں ہرگز نہیں ہیں بلکہ فکری لحاظ سے

حیوانیت اور جنسی بے راہ روی کی طرف مائل کرنے کے اقدام ہیں۔ دراصل ''روشن خیالی'' کا وہ پورا خاکہ جو ہم نے اغیار سے مستعار لے رکھا ہے اس میں رنگ بھرنے کے لئے بھی اس کی دی ہوئی ثقافتی اقدار کو استعمال کیا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و جرائد اور فلموں کو بڑی منصوبہ بندی سے فکر و نظر کی گمراہیاں پھیلانے اور اسلامی اقدار کو مٹانے اور ان کا مذاق اڑانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور ان تمام کو لبرل ازم کا لازمی تقاضا قرار دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی دینی اقدار اور پختہ عقائد کو بنیاد پرستی قرار دے کر نئ نسلوں کو اپنی پرانی نسل کے عقیدے اور ایمان سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کے فکری جذبہ تجسس سے فائدہ اٹھاکر فلمی کہانیاں اور ان کے کردار انہیں ایک ایسی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ان میں اچھے اور برے اعمال کی تمیز اور احساس ہی ختم ہوجائے۔ جب روح کی پاکیزگی اور حیا جو ایمان کا خاصہ ہے، متزلزل ہوجائے تو انسان اور جانور کا فرق و امتیاز ہی مٹ جاتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ثقافت کے نام پر بپا ہونے والا طوفان ہمارے معاشرے پر انتہائی زہریلے اثرات مرتب کررہا ہے۔

مغرب سے متاثر ہوکر ہمارے بعض ڈراموں اور پروگراموں میں ذومعنی فقرے، غیر اخلاقی مکالمے اور ناپسندیدہ مناظر سنانا اور دکھانا معمول ہے۔ الغرض لبرل ازم و سیکولر ازم کو اپنانے کی دوڑ میں ہمارا معاشرتی و اخلاقی ڈھانچہ تباہی کا شکار ہوچکا ہے۔

ہمارے معاشرے میں مادر پدر آزادی کو لبرل ازم قرار دیا جارہا ہے۔ لبرل ازم کے فروغ کے لئے خواہ سیکولر نظام تعلیم ہو یا ہماری ثقافتی اقدار کو روندتا ہوا میڈیا، ان تمام

نے ہمارے معاشرے کی صورت گری میں انتہائی منفی کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے کہ معاشرتی سطح پر دینی و اخلاقی کردار کی پسپائی کی بنیادی وجہ "آزاد خیالی" اور لادینیت کے رجحان ہیں۔

نتیجہ بحث

لبرل ازم نے جہاں معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کئے وہاں اس نے منفی اثرات بھی چھوڑے۔ مغرب میں جہاں لبرل ازم کی وجہ سے مغربی معاشرے میں سائنسی علوم میں ترقی ہوئی وہاں الحاد اور دین سے دوری کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اسی طرح یہ اثرات پوری دنیا میں پھیلے بالخصوص مسلم معاشرے پر اس نے گہرے منفی نقوش ثبت کئے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سیکولر ازم، لبرل ازم اور دہریت کی تحریکیں یہ سب عیسائی اور دیگر تحریف شدہ و خود ساختہ مذاہب سے بد ظن ہونے کی صورت میں پیدا ہوئی ہیں۔ الحمد للہ اسلام ایک مکمل، مستند دین ہے جس کی کوئی بات بھی غیر فطری، ظالمانہ اور سائنسی مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی اسلام سائنس و تحقیق کے منافی ہے، اسلام میں ہر اخلاقی و معاشرتی خوبی ہے جس کو آج کے کفار بھی مانتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو آزادی کے نام پر بے دین ہونے سے بچنا چاہیے اور سیکولر و لبرل اذہان رکھنے والوں کی ہر گز تائید و ترویج کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔

★... فصل پنجم:

سیکولر، لبرل ازم والحاد کی روک تھام کے لیے اقدام...★

اس وقت سیکولر، لبرل ازم اور الحاد کس قدر تیزی سے اور کن لوگوں کی قوت سے بڑھ رہے ہیں آئیں ذرا اس کا جائزلیں:

مغربی طاقتوں کا زور، یہودیوں کی فری میسن تحریک، بے دین این جی اوز، سیاستدانوں، میڈیا، قانونی و دیگر بڑے اداروں کے عہدیداران کا عمل ہم سب کے سامنے عیاں ہے کہ کس طرح یہ لوگ اسلامی احکام و علمائے کرام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور نام نہاد ترقی میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ یہ سب لوگ مل کر ملک و قوم کو لوٹتے ہیں اور الٹا الزام دین و علماء پر لگاتے ہیں۔ آج مغربی طاقتوں کے اشاروں پر نصاب میں تبدیلی کی جارہی ہے اور کبھی غیر اسلامی قوانین کو لاگو کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ناموس رسالت اور ختم نبوت پر ڈاکہ زنی کی جارہی ہے۔ این جی اوز برملا طور پر دینداروں اور شرعی سزاؤں پر تنقید کرتی ہیں، میڈیا عوام کو بے حیائی کی طرف راغب کرکے دین سے دور کررہا ہے اور سیاستدان اور بڑے سرکاری عہدے کے لوگ شرعی احکام میں ٹانگ اڑاتے ہوئے کبھی زبانی طلاق کو کالعدم کہتے ہیں، کبھی عدت میں نکاح کو جائز ثابت کیا جاتا ہے، کبھی قادیانیوں کو بھائی کہہ کر ان کو مسلمان ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔ عوام الناس کی نظروں میں علماء و شرعی احکام کی حیثیت دن بدن کم کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔

ان سب طاقتوں کے خلاف جب دینی طاقت کا جائزہ لیں تو کئی گمراہ فرقے ہیں جو کفار کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں اور ان کی ایڈ سے پاکستان سمیت دیگر مسلم ممالک میں دہشت گردی پھیلاتے ہیں، باطل عقائد کو ترویج کر کے مسلمانوں میں تفرقہ پھیلاتے ہیں، عوام الناس میں جنتی گروہ اور باطل فرقوں کی تمیز کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اہل سنت ہی میں جعلی پیروں کا فتنہ ہے، پھر بعض جاہل مقرروں اور متشدد مولویوں کا کردار بھی عیاں ہے جو بغیر سوچے سمجھے ذرا ذرا سی بات پر اور عام فروعی مسئلہ پر کفر و گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں۔ اب قارئین غور کریں کہ سیکولر بڑی قوتوں کے برخلاف ہم مسلمانوں کے پاس کونسی فوج ہے جو ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر سکے ؟؟؟ ان حالات میں عوام اور علمائے اہل سنت کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں:

حالات وواقعات سے آگاہ ہونا

علمائے کرام کو چاہیے کہ حالات و واقعات اور جدید فتنوں سے ہر وقت باخبر رہیں۔ ہر جدید فتنہ کا بروقت رد کیا جائے۔ ایسے مسائل عوام الناس میں نہ بیان کیے جائیں جن کی اتنی حاجت نہ ہو یا عوام کے ذہن عقلی طور پر قبول نہ کریں اور سیکولر ان مسائل کا مذاق اڑائیں۔ یونہی بدمذہب مولویوں کے کلپ عام کر کے عوام الناس کو تمام علماء سے بدظن نہیں کرنا چاہیے۔

بلاوجہ کی تنقید سے اعراض

جو چیز کسی بھی سنی تحریک یا عالم میں پائی جاتی ہے جب وہ شرعا جائز ہے تو خوامخواہ اعتراض نہ کیا جائے۔ ہر فرد و جماعت پر تنقید کرنا اہل علم حضرات کی شایان شان

بھی نہیں اور اپنے محبین کو علمائے اہل سنت سے بد ظن کرنے کا ایک نقصان یہ ہے کہ جو اس صاحب سے بد ظن ہو گا وہ ہو سکتا ہے تمام اہل سنت کے علماء سے ہی بد ظن ہو جائے۔ ہر مسئلہ کی خود تحقیق کی جائے شر پسند عناصر کی سنی سنائی بات پر رد عمل نہ کیا جائے کہ بعد میں خبر غلط ثابت ہو لیکن دین و سنیت کا نقصان ہو چکا ہو۔

کڑھن سے آگے کچھ عمل

بعض حضرات کی عادت ہے جب مجلس میں بیٹھتے ہیں تو بہت کڑھتے ہیں لیکن بجائے عمل کرنے کے سارے کرنے کے کام باتوں باتوں میں دوسرے علماء یا تحریکوں کے سپرد کر دیتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے ،بلکہ عملی حال یہ ہے ہوتا ہے کہ ذرا سی بات پر دیندار شخصیات سے بد ظن ہو جاتے ہیں۔ یہ روش عرصہ دراز سے دیکھنے کو ملتی ہے جس کا نقصان آج ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ کچھ فی سبیل اللہ دین کا کام کرنے کا ذہن ہونا چاہیے۔

علمی عقلی اور خوبصورت نکات کے ساتھ بیان کرنا

بیانات ایسے ہوں جو علمی ہونے کے ساتھ اچھے نکات پر مبنی ہوں جیسے سود کیوں حرام ہے ؟ بے پردگی کے نقصانات وغیرہ۔ ہر موقع پر بدمذہبوں کا رد یا فروعی اختلاف پر گفتگو مناسب نہیں ہوتی۔

مدارس کا قیام

مدارس میں اچھا نصاب رائج کرکے ،صاف ستھرا اور اچھا ماحول دے کر اچھی تنخواہوں کے ساتھ علماء کرام رکھے جائیں تاکہ عوام الناس میں رغبت پیدا ہو۔

ائمہ مساجد کی اچھی تنخواہیں

ائمہ مساجد پڑھے لکھے رکھے جائیں اور ان کی اچھی تنخواہ ہو۔ مساجد کو جاہل وفاسق انتظامیہ سے آزاد کروانے کی کوشش کی جائے۔

عوام بالخصوص صاحب ثروت و منصب لوگوں سے رابطہ

عام طور پر بہت زیادہ غریب طبقہ اور بہت زیادہ امیر طبقہ دین سے دور ہوتا ہے اور سیکولر لوگ اور بے دین میڈیا کے قریب ہوتا ہے۔ ان کو دین اور دینداروں سے دور کرکے سیکولرازم عام کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر ان لوگوں تک دین کا احسن طریقے سے پیغام پہنچے گا تو امید ہے کہ یہ سیکولرازم کے فروغ کا سبب نہیں بنیں گے۔

عوام الناس کو بھی علمائے کرام اگر شفقت دیں تو یہ بدمذہبوں اور سیکولر لوگوں بالخصوص میڈیا کے پروپیگنڈہ سے بچ سکتی ہے۔ عوام اور فاسق لوگوں سے قطع تعلقی کرنا یا ان کو جھاڑنا فی زمانہ بہت خطرناک ہے۔

اجتماعات

پوش ایریاز اور اداروں میں دینی اجتماعات قائم کیے جائیں جہاں اچھے تجربہ کار علماء کے بیانات ہوں جو سیرت نبی و صحابہ کرام کو احسن طریقے سے پیش کرکے لوگوں کے دلوں میں ان ہستیوں کی محبت و عظمت پیدا کریں۔ نیز فی زمانہ جو فرقہ وارایت، تقلید، پیری مریدی، جہاد وغیرہ کے جو موضوعات زیر بحث ہیں، عوام الناس کو اس بارے میں صحیح آگاہی دی جائے۔

اہل سنت کا مضبوط سیاسی پلیٹ فارم

علمائے اہل سنت و عوام اہل سنت کو سیاست میں حصہ لے کر اسمبلی میں جانا چاہیے تاکہ دین وسنیت کو فائدہ ہو۔ سیاست کو ہم نے بے دینوں کے ہاتھ دے کر بہت نقصان اٹھایا ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جو مولوی سیاست میں آتا ہے وہ تمام سنی تحریکوں اور دیگر صوفی حضرات کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو خود کو سیاست میں لانا پسند نہیں کرتے۔ یہ ضروری نہیں کہ ساری سُنیت سیاست میں آجائے تب ہی اہل سنت کو فائدہ ہو گا، اگر کوئی ایک تحریک طریقے سے سیاست کرے بدمذہبوں کی بجائے اہل سنت میں اتفاق واتحاد رکھے تو ہر سنی اسی کو ہی ووٹ دے گا، ورنہ جب اپنوں کو ہی ذرا ذرا سی بات پر فضول میں تنقید کی جائے گی اور فقہی سوچ کے علاوہ جذباتی انداز میں تقریر کرکے مسلمانوں کو ناموس رسالت کا غدار کہا جائے گا تو اس کا نقصان سنیت کے ساتھ ساتھ سیاسی تحریک کو بھی ہو گا۔

میڈیا میں علماء اہل سنت کا عمل

خالص اسلامی چینلز کا اضافہ ہونا چاہیے اور مشہور میڈیا چینل پر علماء اہل سنت کا اختلافی گفتگو کے علاوہ اسلام کی خصوصیات و محاسن، شرعی احکام کو اچھے طریقے سے بیان کرنا چاہیے تاکہ میڈیا میں جو دین اور علماء کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان کی روک تھام ہو۔ الغرض میڈیا ہو یا سوشل میڈیا ہر محاذ پر احسن طریقے سے کام ہونا چاہیے۔